اِنَّہٗ لَقَوۡلٌ فَصۡلٌ وَّمَا ھُوَ بِالۡھَزۡلِ

رسالہ

قولِ فیصل

یعنی

حضرت مولانا ابوالکلام آزاد کا بیان

انہوں نے گورنمنٹ کے استغاثہ کے جواب میں تحریر کیا اور جو تحریک خلافت اور سوراج کے اسباب مقاصد اور ملک کی قومی و مذہبی فرائض پر سب سے بہتر اور مستند بیان ہے۔ معہ روئیداد گرفتاری اور مقدمہ۔

اسلام کسی حال میں بھی جائز نہیں رکھتا کہ مسلمان آزادی کھو کر زندگی بسر کریں انہیں مرنا چاہیے یا آزاد رہنا چاہیے۔ تیسری راہ اسلام میں کوئی نہیں۔

ناشر

چمن بکڈپو - اردو بازار دہلی ۶

مطبوعہ: سود لیتھو پریس، پٹودی ہاؤس دہلی

۵/۵۰

قیمت :- پانچ روپے پچاس پیسے

دیباچہ

یہ تاریخ کا ایک دلچسپ اور حیرت انگیز باب ہے۔ جس کی ترتیب میں ہم یکساں طور پر مشغول ہیں۔ تمہارے حصہ میں مجسٹریٹ کی کرسی آئی اور ہمارے حصے میں غریبوں کا کٹھرا۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کام کی تکمیل کے لئے وہ کرسی بھی اتنی ضروری ہے جس قدر یہ کٹھرا۔ آؤ اس یادگار اور افسانہ بننے والے کام کو جلد ختم کر دیں، مؤرخ کام میں انتظار میں ہے اور مستقبل کب سے ہماری راہ تک رہا ہے، ہمیں جلد جلد یہاں آنے دو اور تم بھی جلد جلد فیصلہ لکھتے رہو۔ ابھی کچھ دنوں تک یہ کام جاری رہے یہاں تک کہ ایک دوسری عدالت کا دروازہ کھل جائے گا۔ یہ خدا کے قانون کی عدالت ہے وقت اس کا جج ہے وہ فیصلہ لکھے گا اور اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔

دیباچہ

مولانا ابوالکلام آزاد نے جو بیان عدالت میں دیا، اس کی نقل میرے پاس پہونچی۔ مولانا کے بیان میں بہت بڑی ادبی خوبصورتی ہے۔ وہ نہایت وسیع روانی کے ساتھ پُر جوش بھی ہے۔ وہ نہایت دلیرانہ ہے اس کا لہجہ غیر متزلزل اور غیر آتشی طلب ہے مگر ساتھ ہی سنجیدہ اور متین بھی ہے۔ تمام بیان میں اوّل سے آخر تک ایک جوش پایا جاتا ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے گویا خلافت اور نیشنلزم پر مولانا ایک پُر اثر خطبہ دے رہے ہیں۔

مولانا کا بیان پڑھ کر میں جب فارغ ہوا تو ایک بات بہت زیادہ واضح ہو کر میرے سامنے آگئی۔ یعنی عدالتوں کا بائیکاٹ کرنے کی اصلی ضرورت کیا ہے میں نے محسوس کیا کہ اگر اگر ہم نے ایسا نہ کیا ہوتا تو یہ بے خوفی اور مضبوطی ہم میں کہاں ہوتی جو آج ہمارے اندر کام کر رہی ہے۔

اس سے بڑھ کر یہ کہ اگر ہم نے عدالتوں کا بائیکاٹ نہ کیا ہوتا تو ہم آج د کے بیان جیسی گراں قدر چیز نہیں پاتی۔ جو بجائے خود ایک بہترین سیاسی تعلیم ہے عدالتوں کا بائیکاٹ کا اثر صرف اسی چیز میں نہیں دیکھنا چاہیے کہ کتنے قانون

پیشہ اصحاب نے پریکٹس چھوڑ دی۔ اصل چیز دیکھنے کی ہے کہ آج سے دو سال پہلے جو ہما ہمی اور رونق عدالت گاہوں کے اندر باہر نظر آتی تھی وہ کس طرح مفقود ہوگئی ہے۔ اب تو وہ صرف لین دین کرنیوالوں اور قمار بازوں کی ایک کمین گاہ ہیں۔ نہ وہ قومی آزادی کا سرچشمہ ہیں نہ انفرادی کا۔ اس بات کا اندازہ کہ قوم کتنی آزادی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے، صرف بہادر اور بے خوف دلوں کے جذبات دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔

مولانا کے بیان کا روئے سخن اگرچہ عدالت کی طرف ہے، لیکن وہ دراصل ملک و ملت سے خطاب کر گئے ہیں۔ فی الحقیقت ان کا بیان ایسا ہے۔ گویا عمر بھر کے لئے سخت سے سخت سزاؤں کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔ ایک سال قید بالمشقت سزا کا فیصلہ سن کر مولانا نے خوب کہا:

”میں جس سزا کا متوقع تھا۔ اس سے تو یہ بہت کم ہے۔“

(مہاتما گاندھی)

"بہ بدمستی سرد متہم ساز و مرا ساقی"

"ہنوز از بادۂ پارینہ ام پیمانہ بو دارد"

بنگال کے ایک مشہور ہندو پولیٹکل اور جرنلسٹ رہنمائے روئداد کے انگریزی ایڈیشن کے لئے جو تحریر بطور دیباچہ لکھی ہے اس کا ترجمہ یہاں بطور دیباچہ کے درج کیا جاتا ہے وہ لکھتے ہیں:

مولانا ابوالکلام کی گرفتاری اور مقدمہ کی یہ مختصر روئداد ہے جو ملک کے اصرار طلب سے سرسری طور پر مرتب کر کے شایع کی جاتی ہے مقدمہ کی روئداد زیادہ تر مقامی اخبارات کی رپورٹوں اور ایسوشئیٹڈ پریس کے تاروں سے نقل کی گئی ہے بہت سی تفصیلات بخوف طوالت نظر انداز کر دی گئی ہیں۔ اثنار مقدمہ عدالت سے باہر جو واقعات ظہور میں آئے اور ان میں اکثر ایسے ہیں جو مولانا کی گرفتاری سے بہت قریبی تعلق رکھتے ہیں ان کا بھی کچھ ذکر نہیں کیا گیا کیوں کہ روئداد مقدمہ کے موضوع سے وہ خارج تھے۔

(۱)

مولانا نے اپنے بیان کا عنوان اسی شعر کو رکھا ہے جیسا کہ ان کے مسودہ میں ہے لیکن چونکہ بیان اس لئے لکھا گیا تھا کہ اس کا انگریزی ترجمہ عدالت میں داخل کیا جائے اس لئے ترجمہ کے وقت نکال دیا گیا۔

عرض ناشر

اس مجموعہ میں سب سے پہلے وہ "پیغام" درج ہے جو گرفتاری سے دو دن پہلے مولانا نے لکھ کر اپنے کاغذات میں رکھ دیا تھا اور گرفتاری کے بعد ہی شایع ہوا۔ اس کے بعد گرفتاری کی مختصر کیفیت درج ہے پھر تاریخ اور تمام پیشیوں کی روئداد دی گئی ہے اس کے بعد مولانا کا بیان ہے جو انہوں نے عدالت کے لیے لکھا۔ فی الحقیقت اصل مقصود اس رسالہ کی ترتیب ہے اس کی اشاعت ہے آخر میں بطور ضمیمہ کے مولانا کا وہ مضمون بھی شامل کر دیا ہے جو انہوں نے کلکتہ پہنچ کر "پیغام" میں شامل کیا تھا اور جس میں گورنمنٹ کے تازہ جبروتشدد کے جواب میں ایک ہی مدافعانہ حرکت کی اپیل کی گئی تھی ملک نے اس اپیل کا جس جوش و مستعدی سے ساتھ دیا اور خصوصاً بنگال اور بمبئی میں یادگار اور غیر مسخر دفاعی پیش قدمی شروع ہوئی وہ موجودہ تحریک کی کامیابی کا سب سے زیادہ شاندار اور پرفخر کارنامہ ہے اگر بدقسمتی سے اس فتحمندی کے تمام اثرات یکایک ضایع نہ کر دیئے جاتے تو فی الحقیقت ملک نے میدان کا پہلا مرحلہ جیت لیا تھا اور قریب تھا کہ ایک نیا کامیاب دور شروع ہو جائے چوں کہ مولانا کی گرفتاری ہی سے اس نئی حکومت کا سلسلہ شروع ہوا اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ یہ مضمون بھی روئداد میں شامل کر دیا جائے۔ پہلی دسمبر ۱۹۲۱ء سے ۱۱ فروری تک ملک نے جو فتحمند دفاع کیا ہے وہ گویا اسی دعوت کا عملی جواب تھا۔

مولانا کی گرفتاری اور اس کی نوعیت

ملک کے مسلمہ لیڈروں میں سب سے آخری گرفتاری مولانا اور مسٹر داس کی ہوئی۔ مسٹر داس کی گرفتاری بنگال کے مقامی حالات کا نتیجہ تھی لیکن مولانا کا معاملہ اس سے بالکل مختلف تھا۔ اگر ۱۷ نومبر کے بعد کے حالات پیش نہ آتے جب بھی ان کی گرفتاری اٹل تھی اور ہر صبح و شام متوقع تھی۔ گزشتہ ایک سال کے اندر شاید ہی کسی نے اس قدر صاف صاف اور بے پردہ چیلنج گورنمنٹ کو دیا ہوگا۔ جیسا کہ مولانا نے دیا۔ مسئلہ خلافت اور سوراج سے قطع نظر خاص طور پر وہ برابر گورنمنٹ کو اپنی گرفتاری کے لیئے دعوت دیتے رہے اور ان کا طرز عمل ہمیشہ ان کمپرومائزنگ رہا۔

گرفتاری کے لیئے مسلسل دعوت

مارچ ۱۹۲۱ء میں مہاتما گاندھی کے ہمراہ مولانا نے پنجاب کا تیسرا دورہ کیا اس وقت ضلع لاہور اور امرتسر میں سڈیشن میٹنگس ایکٹ نافذ تھا یعنی نہ تو کوئی پبلک جلسہ ہو سکتا تھا نہ کوئی پبلک تقریر کی جا سکتی تھی۔ اسی لیئے مہاتما گاندھی جی نے گجرانوالہ جا کر تقریر کی، لاہور اور امرتسر میں کوئی تقریر نہیں کی۔ کیوں کہ اس وقت تک قانونی خلاف ورزی کی اجازت نہیں دی

گئی تھی۔ لیکن مولانا صاحب نے صاف صاف کہہ دیا کہ اگرچہ اس وقت قانون کی خلاف ورزی کرنے کا عام طور پر حکم نہیں دیا گیا ہے لیکن میرے لئے افضلیت (عزیمت) اس میں ہے کہ خلاف ورزی کروں اور سچائی کے اعلان سے باز نہ رہوں۔ جب میں افضل بات پر عمل کر سکتا ہوں تو کم مرتبہ طریقہ کے دامن میں کیوں پناہ لوں؟ چنانچہ انہوں نے اعلان کر دیا کہ جمعہ کے دن شاہی مسجد میں بیان کریں گے۔ بعض وزرار حکومت نے پنجاب میں مہاتما گاندھی جی سے شکایت کی کہ مولانا کا طرز عمل آپ کے خلاف ہے۔ لیکن مہاتما جی نے کہا بلاشبہ میں عام طور پر سِول ڈِس اُوبی ڈینس کی اجازت کا مخالف ہوں لیکن ایسے ذمہ دار افراد کے لئے جیسے کہ مولانا ہیں ہر وقت اس کا دروازہ کھلا ہے۔ چنانچہ جمعہ کے دن انہوں نے پہلے جمعہ کا خطبہ دیا۔ اس کا موضوع بھی وقت ہی کے مسائل تھے پھر نماز کے بعد صحن مسجد میں ترک موالات پر ایسی دل ہلا دینے والی تقریر کی جو ہمیشہ اہل لاہور کو یاد رہے گی۔ لاہور کے نیم سرکاری اینگلو انڈین آرگن سول اینڈ ملٹری نے اس پر لکھا تھا کہ اس کارروائی کے ذریعہ اعلانیہ اہل پنجاب کو قانون شکنی کی دعوت دی گئی ہے۔ مسٹر گاندھی اپنے رفیق کو اس سے بعض رکھنا ضروری نہیں سمجھتے۔ اگر گورنمنٹ پنجاب نے اس پر فوری کارروائی نہیں کی تو پنجاب کے نوان کو آپریٹرز کی جراءتیں بہت بڑھ جائیں گی۔ یہ بھی لکھا ہے کہ مارشل لا کے حکام نے شاہی مسجد کو اسی مجبوری سے بند کر دیا تھا۔ اب سول حکام کو بھی اس پر غور کرنا

چاہیئے۔ اس نوٹ کی سرخی صحن مسجد میں باغیانہ لکچر تھا۔ ایک ہفتہ کے بعد وہ امرتسر آئے یہاں بھی تقریر ممنوں تھی۔ لیکن جامع مسجد میں انہوں نے خطبہ دیا اور نماز کے بعد انہوں نے مکرر تقریر کی۔ اسی وقت وہ میل ٹرین سے لکھنؤ جا رہے تھے اس لیئے دس پندرہ منٹ سے زائد نہ بول سکے۔ تاہم انہوں نے صرف اس لیے تقریر کی تھی کہ پنجاب گورنمنٹ کو یہ کہنے کا موقع باقی نہ رہے کہ جمعہ کو خطبہ معمولی تقریر نہیں ہے۔ جس کے ارتکاب سے سرکاری آرڈر کی خلاف ورزی ہوئی ہو پس عام بول چال کے مطابق جس تقریر کو پولٹیکل تقریر کہہ سکتے ہیں وہ بھی انہوں نے نماز کے بعد کر دی اور گورنمنٹ کے لیئے کسی حیلے حوالے کی گنجائش نہ چھوڑ دی۔

مگر گورنمنٹ پنجاب نے بالکل تغافل کیا۔ گرفتار کرنے کی جرأت نہ کر سکی مولانا نے یہ واقعہ خود ہم سے بیان کیا تھا۔

اس کے بعد کراچی خلافت کانفرنس ریزولیشن کی بنا پر علی برادر اور دیگر اصحاب کی گرفتاری عمل میں آئی اس موقع پر تو مولانا نے اپنی گرفتاری کے لئے یکے بعد دیگرے ایسے شجاعانہ بلاوے دیئے کہ شاید ہی کوئی نظیر اس کی مل سکے۔ علی برادران ۱۴ ۔ اگست کو گرفتار کیے گئے۔ لیکن کلکتہ میں ۱۸ ۔ اگست کی صبح کو خبر پہنچی۔ انہوں نے اس وقت ہالیڈے پارک میں جلسہ کے انعقاد کا اشتہار دیا اور شام کو بیس ہزار سے زیادہ مجمع میں تقریر کی انہوں نے کہا تھا۔

جس روز ریزولیوشن کی بناپر علی برادران گرفتار کیے گئے ہیں وہ اسلام کا مانا ہوا ایک مشہور و معروف مسئلہ ہے اور ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اس کا اعلان کرے وہ ریزولیوشن دراصل میرا ہی تیار کیا ہوا ہے اور میری ہی صدارت میں سب سے پہلے اس کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں منظور ہوا ہے میں اس سے بھی زیادہ تفصیل اور صفائی کے ساتھ اس وقت اس کے مضمون کا اعلان کرتا ہوں، یہ سی آئی ڈی کے رپورٹر بیٹھے ہیں اور میں انہیں سے کہتا ہوں کہ حرف حرف قلمبند کر لیں۔ اگر یہ جرم ہے تو گورنمنٹ کو یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کا ارتکاب ہمیشہ جاری رہے گا۔

اس کے بعد دہلی میں مرکزی جمعیتہ علما اور خلافت کمیٹی کا جلسہ ہوا۔ ان دونوں جلسوں میں بھی انہوں نے رانچی ریزولیوشن کو زیادہ صاف اور واضح لفظوں میں پیش کیا۔ نیز ایک تجویز اس مضمون کی بھی پیش کی چونکہ گورنمنٹ نے اس اسلامی حکم کی تبلیغ کو جرم قرار دیا ہے اس لئے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اب اس کے اعلان میں اپنی جان لڑا دے اور ہر مقام پر اس غرض سے جلسے منعقد کیئے جائیں۔

چنانچہ تمام ملک میں جلسوں کے انعقاد اور رانچی ریزولیوشن کی تصدیق کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ اور گورنمنٹ حیران و درماندہ ہو کر رہ گئی پھر رانچی، بمبئی، آگرہ، لاہور وغیرہ مقامات میں بھی وہ برابر اس کا اعلان کرتے رہے۔ بمبئی آگرہ اور لاہور کی کانفرنس کے صدر بھی وہی تھے آگرہ کی پراونشل خلافت کانفرنس میں رانچی ریزولیوشن پیش کرتے ہوئے۔

انہوں نے جس طرح گورنمنٹ کو چیلنج دیا اس کو سن کر بڑے بڑے باہمت اشخاص بھی دم بخود ہو گئے تھے اور فیصلہ کر دیا تھا کہ صبح سے پہلے ہی وہ گرفتار کر لئے جائیں گے۔

علی برادران کی گرفتاری کے بعد مہاتما گاندھی جی نے ہندو مسلمان لیڈروں کو بمبئی میں جمع کر کے ایک مینوفسیٹو شائع کیا تھا۔

اس میں کراچی ریزولیوشن کی اس بنا پر تائید کی تھی کہ موجودہ حالت میں سرکاری فوجی ملازمت کو ملکی غیرت کے خلاف کہنا کوئی جرم نہیں ہے اور ایسا کہنا ایک جائز فعل ہے۔ اس پر اخبار ٹائمز آف انڈیا نے لکھا تھا کہ گورنمنٹ اس مینوفیسٹو پر دستخط کرنے والوں کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرے گی کیوں کہ اس خیال کو صرف زبان سے ظاہر کر دینا یا شائع کر دینا کوئی جرم نہیں ہے۔ بلکہ عملاً سپاہیوں کو ورغلانا اور ان کو ترک ملازمت کی دعوت دینا جرم اور سازش ہے، کراچی کا مقدمہ عملی اقدام پر کیا گیا ہے مجرم اور ریزولیوشن پاس کر دینے کی بنا پر نہیں ہے۔

"یہ بات بہت کمزور دلوں کے لیے ایک حیلہ بن گئی ہے۔ وہ کراچی ریزولیوشن کا اعلان کرتے۔ مگر ایسا کروں گا۔ ایسا ہونا چاہیئے" وغیرہ الفاظ کے ساتھ بولتے بالفعل عمل کرنے پر زور نہ دیتے نہ اپنے عمل کرنے کا اظہار کرتے لیکن مولانا نے یہ تسمہ بھی لگا نہ رکھا، انھوں نے بمبئی آگرہ لاہور وغیرہ کی تقریروں اور اپنے تحریری اعلانات میں صاف صاف کہہ دیا کہ یہ صرف میرا اعتقاد یا زبانی اعلان ہی نہیں ہے۔ اور نہ لیڈروں کی مینوفیسٹو کی طرح

صرف اس بات کے جواز کا مدعی ہوں بلکہ دو سال سے اس پر عمل بھی کر رہا ہوں اور آئندہ بھی کروں گا۔ اور ہر شخص سے کہتا ہوں کہ وہ بھی ایسا ہی کرے۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ ہر سپاہی تک اس پیغام کو پہنچا دوں۔

بمبئی کی اس میٹنگ میں میں بھی شریک تھا۔ مولانا نے اس میٹنگ میں بھی اپنی رائے ظاہر کر دی تھی کہ مینوفیسٹو کا مضمون ناکافی ہے اور صرف ایسا کہنے کے جواز کا اظہار کرنا حصولِ مقصد کے لیئے سود مند نہیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ میں نے عملاً ایسا کیا ہے اور ہمیشہ کرتا رہوں گا۔

ابتدا میں گورنمنٹ نے علی برادران اور ان کے ساتھیوں کے خلاف صرف کراچی ریزولیوشن کا الزام لگایا تھا۔ جب مولانا نے بار بار اعلان کیا کہ کراچی ریزولیوشن خلافت اور جمعیتہ علما کی گزشتہ تجویزوں کا صرف اعادہ ہے ورنہ سب سے پہلے خود انہوں نے ۲۹ فروری ۱۹۲۰ء کو خلافت کانفرنس کلکتہ میں اس کا اعلان کیا تو پھر گورنمنٹ بھی چونکی اور جوں ہی مقدمہ سشن کورٹ میں شروع ہوا سرکاری وکیل نے دعوے میں ترمیم کر کے کلکتہ کانفرنس کا ریزولیوشن بھی شامل کر دیا۔ اس پر مولانا نے ایک برقی بیان فوراً تمام اخبارات میں شائع کرایا تھا جس کی بے باک شجاعانہ اسپرٹ نہایت ہی عجیب و غریب تھی اور ہمیشہ ہندوستان کی تاریخ میں یادگار رہے گی۔ اس میں انہوں نے لکھا تھا کہ صرف اتنی ہی ترمیم سے سرکاری دعویٰ مکمل نہیں ہو سکتا اور مرحلے بھی ابھی باقی ہیں۔

سب سے پہلے کلکتہ خلافت کانفرنس کے لیے یہ ریزولیوشن میں نے

تیار کیا خود اپنی قلم سے لکھا ہوا میری ہی صدارت میں منظور ہوا۔ اس کے بعد دہلی میں جمعیتہ علماء کا جلسہ ہوا۔ اور میں نے اس ریزولیوشن پر بصورت فتویٰ کے دستخط کئے پھر بریلی میں جمعیتہ علما کا جلسہ ہوا۔ اس کا بھی میں ہی صدر تھا اور صدارت کی طرف سے اس ریزولیوشن کو پیش کر کے منظور کرایا تھا۔ علاوہ بریں رسالہ خلافت میں ایک خاص باب اس موضوع پر لکھ چکا ہوں اور اس کی بے شمار کاپیاں تقسیم ہو چکی ہیں، پھر کلکتہ، دہلی، رانچی، بمبئی وغیرہ میں بھی میں نے ایسا ہی کیا۔ میں اس کا بھی اقرار کرتا ہوں کہ یہ صرف میرا زبانی اظہار ہی نہ تھا بلکہ میں نے اس پر عمل بھی کیا ہے۔ اور ہمیشہ لوگوں کو کہتا رہا ہوں کہ اس کی تبلیغ کرتے رہیں۔ اگر یہ سازش اور افواہ ہے تو مجھے اس کے ارتکاب کا ہزار مرتبہ اقرار ہے۔ گورنمنٹ کو چاہیئے تھا کہ علی برادران سے پہلے (جنھوں نے صرف نقل و اعادہ کیا ہے) مجھ پر مقدمہ چلاتی۔

۳۰ دسمبر ۱۹۲۱ء کو یہ بیان ملک کے تمام انگریزی اور ورناکیولر اخبارات میں شائع ہو گیا۔ مگر گورنمنٹ کی جانب سے بالکل اغماض کیا گیا۔ اور کوئی کارروائی ان کے خلاف نہ کی گئی۔ یہ امر واقعہ ہے کہ تمام ملک کو اس پر سخت تعجب اور حیرانی ہوئی تھی جیسا کہ انہوں نے اپنے بیان کی دفعہ ۲ میں اشارہ کیا ہے۔

یہ واقعہ علاوہ ان بے شمار تقریروں اور کارروائیوں کے ہے جن میں وہ برابر بلا کسی ادنیٰ تزلزل کے یکساں قول و فعل کے ساتھ مشغول رہے۔

پس ان حالات میں اگر اس قدر توقف اور پس و پیش کے بعد گورنمنٹ نے انہیں گرفتار کیا۔ تو جیسا کہ خود انہوں نے کہا ہے۔ فی الحقیقت یہ کوئی خلاف توقع بات نہیں ہے اور ان کی طرح ہمیں بھی اس پر کوئی اعتراض نہیں کرنا چاہیئے۔

آخری دفاعی معرکہ

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ خدائی حکمت ان کی گرفتاری سے بر وقت ایک خاص کام لینا چاہتی تھی۔ اس لئے تعجب انگیز طور پر ان کی گرفتاری برابر ملتوی ہوتی رہی اور پھر ٹھیک اس وقت ہوئی جبکہ تحریک کی نئی زندگی کے لئے اس کی ضرورت تھی اگر یہی واقعہ دسمبر سے پہلے ظہور میں آجاتا تو وہ نتائج کیوں کر حاصل ہوتے جو دسمبر کے بعد کے حالات ہی میں وجود پذیر ہو سکتے تھے۔

۱۷ نومبر کے بعد اچانک قومی تحریک جن حالات میں گھر گئی تھی اس کا صرف انہی لوگوں کو اندازہ ہے جو تحریک کے اندرونی تنظیم و نسق میں دخل رکھتے ہیں۔ یہ وہ موقع تھا کہ ملک نہایت بے چینی کے ساتھ کسی نئے اقدام کا انتظام کر رہا تھا۔ سال کے اختتام میں جوانوں کو اپریشن پروگرام کے نفاذ کی مجوزہ مدت تھی صرف دو ماہ باقی رہ گئے تھے اور ساری امیدوں کا مرکز مہاتما گاندھی جی کا یہ اعلان تھا کہ پہلی دسمبر سے وہ بردولی تعلقہ میں اجتماعی سول ڈس اوبی ڈینس شروع کر دیں گے۔ لیکن یکایک بمبئی میں پرنس آف ویلز کے دورہ کے موقعہ پر شورش نمودار ہوئی اور اس سے مہاتما گاندھی جی ذکی الحس قلب پر ایسا اثر پڑا کہ انہوں نے نہ صرف بردولی کا کام ملتوی کر دیا بلکہ پے در پے تین بیانات شائع کر کے اعلان کر دیا کہ موجودہ حالات میں تحریک کی ناکامی کا ہمیں اعتراف کر لینا چاہیئے۔

اس اعلان نے تمام ملک میں افسردگی اور مایوسی ایک عام لہر دوڑا دی قریب تھا کہ لوگوں کے دل بیٹھ جائیں۔ چنانچہ ۲۲، نومبر کو جب کانگریس اور ورکنگ کمیٹی کا جلسہ ہوا تو تمام ممبروں پر یاس و حسرت چھائی تھی۔ اور کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ کہ تحریک کو زندہ رکھنے کے لیے کون سا فوری عمل اختیار کیا جائے۔ مولانا اور مسٹر داس نے خود بخود مجھ سے کہا تھا۔ ہم بالکل تاریکی میں گھر گئے تھے۔ لیکن خدا کی رحمت نے فوراً چارہ سازی کی جب کہ ۲۲، نومبر کو بمبئی میں لوگ راہ عمل سوچ رہے تھے تو ٹھیک اسی وقت گورنمنٹ کے نئے جبر و تشدد سے کلکتہ میں ایک نیا دروازہ عمل کھل چکا تھا۔ جوں ہی گورنمنٹ بنگال نے رضاکاروں کی جماعت اور مجالس کو خلاف قانون قرار دیا۔ فوراً اہل کلکتہ نے ایک ہزار دستخطوں سے نئی جماعت رضاکاران کا اعلان شائع کر دیا۔ اس کے بعد مسٹر سی آر داس اور مولانا کلکتہ پہنچے اور انہوں نے معلوم کر لیا کہ فتحمندی کا اصلی میدان بنگال ہی میں گرم ہوگا۔ انہوں نے آل انڈیا کانگریس کمیٹی یا ورکنگ کمیٹی یا مہاتما گاندھی کی اجازت کے انتظار میں وقت ضائع نہیں کیا بلکہ فوراً رضاکاروں کی تنظیم اور تبلیغ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ روزانہ چار چار پانچ پانچ سو گرفتاریوں کی تعداد پہنچ گئی۔ بنگال کی پیش قدمی نے دوسرے صوبوں پر بھی اثر ڈالا۔

نئی حرکت ہر طرف شروع ہو گئی اور اچانک ملک میں ایک ایسی نئی زندگی پیدا ہو گئی کہ لوگوں کو پچھلی افسردگی و مایوسی کا ایک گزرے ہوئے خواب جتنا بھی خیال باقی نہ رہا۔

خود مولانا کو بھی اس حقیقت کا پورا الیقین تھا جیسا کہ ان کے "پیغام" مورخہ ۸؍ دسمبر سے واضح ہوتا ہے۔ علاوہ بریں ۴ سے ۸ تک انہوں نے جو خطوط لوگوں کو لکھے ان میں بھی صاف صاف اپنا ارادہ اور یقین ظاہر کر دیا ہے ایک خط کی نقل ہمیں ان کے سکریٹری سے ملی ہے جو مولانا کفایت اللہ صاحب صدر جمعیتہ علماء کے نام انہوں نے لکھوایا تھا۔ اس میں لکھتے ہیں۔

بدایوں کے جلسہ (جمعیت) میں شرکت کا قطعی ارادہ تھا۔ لیکن یہاں پہنچ کر جو حالات دیکھے اور جو حالات روز بروز ظہور پذیر ہو رہے ہیں ان کے بعد بہت مشکل ہو گیا ہے کہ میں کلکتہ سے نکل سکوں۔ کلکتہ سے نکلنے کے یہ معنی ہوں گے کہ میں ایک بہترین مہلت عمل دیدہ و دانستہ ضائع کر دوں مجھے تو ایسا نظر آرہا ہے کہ شاید سول ڈس اوبی ڈینس کا عقدہ یہیں حل ہوگا۔ روز بروز ایک نئی شاہراہ کامیابی کی میرے سامنے کھلتی جاتی ہے۔ یقین کیجیے کہ بدایوں کے جلسہ میں عدم شرکت کا مجھے بھی نہایت افسوس ہے۔ لیکن میں محسوس کرتا ہوں کہ بحالت موجودہ کلکتہ سے نکلنا کم از معصیت نہ ہوگا۔

واقعات مابعد نے ثابت کر دیا کہ ان کا خیال کس قدر صحیح تھا۔ فی الحقیقت کلکتہ نے پوری شجاعت کے ساتھ میدان سر کیا اور اس کی کامیابی کے سامنے حریف کو اعلانیہ سر جھکانا پڑا۔ افسوس ہے کہ بدبختانہ عین وقت پر اہالیان ملک کے قوت فیصلہ نے غلطی کی اور یکے بعد دیگرے ایسی لغزشیں ہو گئیں کہ ۱۸ سے ۲۳ دسمبر تک جو عظیم الشان فتح ہوئی تھی وہی اب شکست ہمارے سامنے آگئی ہے۔

بلا تاریخ فیصلہ

مقدمہ کی خصوصیات

اب ہم ان بعض امور کی طرف ناظرین کو توجہ دلانا چاہتے ہیں جن کی وجہ سے یہ سادہ اور مختصر مقدمہ ملک کے بیشمار پولٹیکل مقدمات میں ایک خاص اہمیت رکھتا ہے اور جن میں ہماری اخلاقی اور پولٹیکل زندگی کے لئے نہایت ہی قیمتی رہنمائی پوشیدہ ہے۔

کامل اور صادقانہ روش

سب سے پہلے جو چیز ہمارے سامنے آتی ہے وہ مولانا کا مضبوط یک سُو قطعی اور ہر طرح کی دو رنگیوں اور تذبذب آمیز باتوں سے محفوظ کیرکٹر ہے۔ یہ اگرچہ ان کی پبلک لائف کے ہر حصے میں ہمیشہ نمایاں رہا ہے اور نظربندی کی چار سالہ زندگی میں اچھی طرح ہم اس کا اندازہ کر چکے ہیں لیکن عدالت اور باقاعدہ چارجوئی کی صورت نظربندی سے بالکل ایک مختلف صورت ہے۔ پہلے میں کوئی موقعہ اظہار بریت اور بحث و دلائل کا نہیں ہوتا دوسرے میں سزا دہی کی بنیاد ہی بحث و دلائل اور ڈیفینس پر ہوتی۔ پس در اصل ایک لیڈر کی روش اور استقامت کی اصلی آزمائش گاہ عدالت ہی کا ہال ہے۔

اس حقیقت کو دونوں پہلوؤں سے جانچنا چاہیئے اس لحاظ سے بھی کہ عام طور پر ایک قومی رہنما اور سیاسی لیڈر کی روش گرفتاری کے بعد عدالت میں کیا ہونی چاہیئے۔ اور اس لحاظ سے بھی کہ نوان کو آپریشن اصولوں کے ماتحت ایک سچے نوان کو آپریٹر کو عدالت میں کیا کرنا چاہیئے مولانا کی روشش دونوں حیثیتوں سے ہمارے لئے سبق آموز ہے۔

سب سے بڑی چیز قول اور عمل کی مطابقت ہے۔ یعنی ہم جو کچھ کہا کرتے ہیں وقت پڑنے پر ٹھیک ویسا ہی بلکہ اس سے زیادہ کر دکھائیں مولانا نے اپنے طرز عمل سے دکھلا دیا کہ وہ وقت پر اپنی کوئی بات اور کوئی دعویٰ بھی واپس لینا نہیں چاہتے۔

ایک لیڈر جب گورنمنٹ کے خلاف طرز عمل اختیار کرتا ہے۔ اور اظہار حق میں اپنے آپ کو نڈر اور بے پرواہ بتلاتا ہے تو وہ بار بار ظاہر کرتا ہے کہ وہ ہر طرح کی قربانیوں کے لئے تیار ہے اور گورنمنٹ کو چیلنج دیتا ہے کہ اُسے جب چاہے جب گرفتار کرے۔ لیکن جب گورنمنٹ خود اسے اسی کے قبول کئے ہوئے اور پسند کئے ہوئے طریقہ کے مطابق اسے گرفتار کر لیتی ہے اور اپنے نقطۂ نظر اور قانون کے مطابق مجرم ٹھہرا کر سزا دلانا چاہتی ہے تو پھر سونا آگ پر تپنے لگتا ہے اور کھوٹے کھرے کی گھڑی آجاتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ اس وقت تین طرح کی طبعتیں تین طرح کی راہیں اختیار کرتی ہیں۔

(۱) کچھ لوگ جن کے زبانی دعووں کے اندر کوئی محکم ایمان اور سچائی

نہیں ہوتی تو وہ فوراً اپنے دعووں سے دست بردار ہو جاتے ہیں اور اپنے کئے پر پشیمانی ظاہر کر کے عجز و نیاز کا سر جھکا دیتے ہیں۔ یہ سب سے ادنیٰ درجہ ہے۔

(۲) کچھ لوگ جو اس سے بلند درجے رکھتے ہیں ان کی طبیعت اس درجہ گر جانے کو تو گوارا نہیں کرتی۔ لیکن سزا سے بچنے کے لئے وہ بیقرار ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ بھی فوراً اپنا طرز عمل بدل دیتے ہیں۔ اور عدالت پر ظاہر کرنے لگتے ہیں کہ جو کچھ وہ کرتے رہے اس کا مقصد وہ نہیں ہے جو گورنمنٹ نے سمجھا ہے کہ کچھ دوسرا ہی ہے پھر طرح طرح سے تاویلیں کرتے ہیں۔ اور مخالفت کو منافقت بنانا چاہتے ہیں۔ کبھی پولیس اور سی آئی ڈی کی رپورٹوں کو بالکل جھوٹا کہہ دیتے ہیں کبھی اپنے کہے ہوئے اور لکھے ہوئے جملوں کو توڑ مروڑ کر کچھ کا کچھ بنانا چاہتے ہیں۔ کبھی گورنمنٹ کا شکوہ کرتے ہیں کہ کیوں خواہ مخواہ بلاقصور انہیں گرفتار کر لیا۔ غرض کہ اپنی تمام پہلی شجاعانہ آمادگیوں کو نظر انداز کر کے اچانک ایک نیا پوزیشن اختیار کر لیتے ہیں اور اگرچہ سزا سے بچ نہ سکیں۔ لیکن سزا سے بچنے کے لئے جس قدر بھی حیلے حوالے کر سکتے ہیں اور انہیں بھی کر سکتے ہیں یہ قسم کی طرح اس قسم کے لوگ بھی بعد کو اپنے طرز عمل کی حمایت یا معذرت میں یہ حیلہ اختیار کرتے ہیں کہ لڑائی بھی ایک طرح کا فریب ہے۔ ہم نے صرف اپنے بچاؤ کے لئے دشمن سے فریب کھیلا ورنہ در اصل ہمارے رول میں وہی ہے جو پہلے تھا۔ لوگ بھی اسے مان لیتے ہیں۔

یہ بات گویا اس قدر مسلّم اور بلیشتر سے سمجھی بوجھی ہوئی ہے کہ جب کوئی

لیڈر عدالت میں ایسا رویہ اختیار کرتا ہے تو پبلک ذرا بھی تعجب نہیں کرتی اور سمجھ لیتی کہ یہ صرف عدالت کے لئے کہا گیا ہے۔ یہاں ایسا ہی کرنا چاہیے پالیٹکس میں ایسا ہی کرنا چاہیے۔ گویا پالیٹکس میں جھوٹ نفاق، دورنگی ذلت نفس اور مکروفریب کے لئے چارہ نہیں۔

(۳) کچھ لوگ ان دونوں مسلکوں سے بھی بلند تر ہیں۔ وہ زیادہ باہمت اور نڈر دل رکھتے ہیں۔ اسی لئے عدالت کے سامنے بھی ان کی جرأت وشجاعت اسی آن بان کے ساتھ نظر آتی ہے۔ جس طرح پبلک مجمعوں میں نظر آتی تھی۔ لیکن زیادہ وقت نظر کے ساتھ جب ان کی طرز عمل کو دیکھا جاتا ہے تو وہ بھی بے لاگ اور بیسوثابت نہیں ہوتا۔ کیوں کہ گو وہ ساری باتیں ہمت اور بے باکی کرتے ہیں۔ لیکن حقیقت واصلیت کے اقرار وبرداشت سے انہیں بھی گریز ہوتا ہے۔ یعنی عدالت کی سزا سے بچنے کے لئے وہ بھی کوئی دقیقہ حیلے حوالوں کا اٹھا نہیں رکھتے۔ البتہ ان کی حیلہ جوئی بہت ہی مخفی اور باریک ہوتی ہے۔ پچھلی دو جماعتوں کی طرح کھلی ہوئی اور صاف نہیں ہوتی وہ گورنمنٹ کی مخالفت سے انکار تو نہیں کرتے۔ لیکن ساتھ ہی عدالت اور قانون کی آڑ میں پناہ بھی لینا چاہتے ہیں۔ یعنی یہ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ گو انہوں نے یہ سب کچھ کہا اور کیا تاہم انہیں سزا نہیں ملنی چاہیے کیوں کہ عدالت اور قانون کی رو سے وہ ہر طرح ایک جائز فعل تھا کسی طرح بھی سزا کا موجب نہیں ہو سکتا۔ ساتھ ہی وہ اس بات کی بھی سخت شکایت کرتے ہیں کہ بلاقصور انہیں گرفتار کیا گیا۔ نیز عدالت کو باور کرانے کی کوشش کرتے

ہیں کہ ان کو سزا دینا نہایت ناانصافی کی بات ہوگی یہ طرز عمل انکا اس گورنمنٹ کی عدالت میں ہوتا ہے جس کے ظلم و ستم کا وہ روز رونا رو چکے ہیں اور جس کے انصاف سے انہوں نے ہمیشہ مایوسی ظاہر کی ہے۔ نیز جس کی نسبت انہیں یقین بھی ہے کہ خواہ کتنی ہی قانون اور انصاف کے نام پر اپیلیں کی جائیں لیکن انہیں سزا دیئے بغیر نہیں چھوڑا جائے گا۔

یہ آخری قسم گویا سب سے بلند اور اعلیٰ سے اعلیٰ جماعت ہے جو ہماری پولیٹیکل جد و جہد کا دور اس وقت تک پیدا کر سکا ہے۔ لیکن قول اور فعل کی مطابقت سے اس کا طرز عمل بھی خالی ہے اگر فی الواقع وہ اپنے تمام دعووں میں سچی تھی اور دعوت آزادی و حق پرستی کے نتائج بھگتنے کے لیئے طیار تھی تو چاہیئے تھا کہ اپنی گرفتاری اور سزا یابی کا بلا کسی اعتراض اور شکایت کے استقبال کرتی اور صاف صاف کہہ دیتی کہ الواقع اس نے ایسا ہی کام کیا جس پر گورنمنٹ کے نقطۂ خیالی کے مطابق سزا ملنی چاہیئے اور چونکہ خود اس نے اپنی پسند سے یہ راہ اختیار کی ہے اس سے اس قدرتی نتائج کے لیئے وہ کسی طرح گورنمنٹ کی ملامت بھی نہیں کرتی گورنمنٹ۔ دنیا کے تمام جاندار ون کی طرح بقضا اپنے مخالفوں کو سزا ہی دے گی پھولوں کا تاج نہیں پہنائے گی پس جب ایک بات قدرتی طور پر ناگزیر ہے تو کیوں اس سے گریز کیا جائے۔ اگر گریز ہے تو آزادی و حق طلبی کی راہ میں قدم رکھنا ہی نہیں چاہیئے۔

لیکن مولانا کا طرز عمل اس اعتبار سے بالکل ایک ہی راہ ہمارے سامنے

کھولتا ہے۔ انہوں نے بتلادیا ہے کہ قول اور فعل کی مطابقت اور سچی اور بے لاگ حقیقت پرستی کے معنی کیا ہیں انہوں نے اپنے بیان میں سب سے پہلے اسی سوال پر توجہ کی ہے۔ انہوں نے صاف صاف تسلیم کیا ہے وہ بحالت موجودہ گورنمنٹ کے نقطۂ نظر اور قانون سے واقعی مجرم ہیں اور یہ ہرگز قابل ملامت و شکایت نہیں ہے کہ گورنمنٹ انہیں سزا دلانا چاہتی ہے اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جب انہوں نے استغاثہ کے مواد کو بہت ہی کمزور پایا تو ایک ایسی جرأت کے ساتھ جس کی نظیر موجود نہیں۔ استغاثہ نا بار ثبوت بھی اپنے ذمہ لیا اور خود اپنے قلم سے وہ تمام باتیں بہ تفصیل لکھ دیں جن کا ثبوت استغاثہ کے لئے بہت مشکل تھا اور اس لیے وہ پیش نہ کرسکتا تھا۔ اس طرح عدالت پر اچھی طرح واضح ہوگیا کہ استغاثہ کے دعوے سے بھی کہیں زیادہ وہ گورنمنٹ کے مجرم ہیں اور یہ بالکل ایک قدرتی بات ہے کہ انہیں سزا دی جائے۔

چنانچہ ہم خود انہی کی زبانی سنتے ہیں کہ ان کا ارادہ بیان دینے کا نہ تھا کیوں کہ انہیں یقین تھا کہ ان کے خلاف گورنمنٹ جو کچھ کہنا چاہے وہ سب کچھ پیش کردے گی لیکن جب کارروائی شروع ہوئی اور انہوں نے دیکھا کہ صرف دو تقریروں کو بنا ء پر استغاثہ دائر کیا گیا ہے اور وہ ان بہت سی باتوں سے خالی ہیں جو وہ ہمیشہ کہتے رہتے ہیں۔ تو انہوں نے محسوس کیا گورنمنٹ میرے خلاف تمام ضروری مواد حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوئی اس لئے میرا فرض ہے کہ میں عدالت کو باخبر کردوں۔

وہ تسلیم کرتے ہیں کہ قواعد عدالت کی رو سے یہ میرا فرض نہیں ہے مگر چونکہ حقیقت کا قانون عدالتی قواعد کی حد بندیوں کا پابند نہیں ہے اس لئے یقیناً یہ سچائی کے خلاف ہوگا کہ ایک بات صرف اس لئے پوشیدگی میں چھوڑ دی جائے کہ مخالف اپنے عجز کی وجہ سے ثابت نہ کر سکا۔

اس کے بعد انہوں نے یہ بھی واضح کر دیا ہے کہ وہ کیوں "جرم" کا اقرار کرتے ہیں۔

وہ کہتے ہیں۔ اس لئے کہ جب ایک قوم اپنے ملک کی آزادی کا مطالبہ کرتی ہے۔ تو اس کا مقابلہ اس طاقت سے ہوتا ہے جو عرصے سے اس کے ملک پر قابض و متصرف ہے۔ کوئی انسان یہ پسند نہیں کرے گا کہ اس کے قبضہ میں آئی ہوئی چیز واپس چلی جائے پس قدرتی طور پر یہ مطالبہ قابض طاقت پر شاق گزرتا ہے اور جہاں تک اس کے بس میں ہوتا ہے وہ اپنے فوائد کے تحفظ کے لئے جدوجہد کرتی ہے۔ یہ جدوجہد کتنی ہی خلاف انصاف ہو مگر کسی طرح قابل ملامت نہیں ہے کیونکہ بہرحال وہ اپنی حفاظت کے لئے ضرور ہاتھ پاؤں مارے گا۔ ایسا مقابلہ ہندوستان میں بھی شروع ہو گیا ہے۔ پس یہ ضروری ہے کہ جو لوگ موجودہ بیوروکریسی کے خلاف جدوجہد کر رہے ہیں۔ بیوروکریسی بھی ان کی مخالفت میں جدوجہد کر رہی ہے اور جہاں تک اس کے امکان میں ہے۔ ان کو سزائیں دے چونکہ وہ نہ صرف جدوجہد کرنے والے ہیں۔ بلکہ اس جدوجہد کی دعوت دینے والے ہیں اس لئے ضروری

ہے کہ انہیں سزا دی جائے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ سزا دی جائے۔ وہ کہتے ہیں کہ میں کیوں گورنمنٹ سے یہ توقع رکھوں کہ وہ اپنے مخالفوں کو پیار کرے گی جو ہمیشہ طاقت نے آزادی کی جدوجہد کے مقابلے میں کیا ہے۔ پس یہ ایک قدرتی معاملہ ہے۔ جس میں دونوں فریق کے لئے شکوہ شکایت کا کوئی موقع نہیں۔ دونوں کو اپنا اپنا کام کئے جانا چاہیئے۔

انہوں نے اپنے بیان کے آخر میں اس کا بھی اعتراف کیا ہے کہ آزادی و حق طلبی کی جدوجہد کی مقاومت میں دنیا کی جابر گورنمنٹیں جو کچھ کر چکی ہیں اس کو دیکھتے ہوئے تسلیم کرنا چاہیئے کہ ہندوستان میں اس وقت جس قدر جبر و تشدد ہو رہا ہے وہ بہت ہی کم ہے۔

کیسی بے لاگ اور خالص صداقت شعاری ہے جو اس بیان سے ٹپک رہی ہے۔

کیا اس سے بھی بڑھ کر راست بازی اور شجاعت و استقامت کی کوئی مثال ہو سکتی ہے۔

لوگوں کی شیوۂ حق گوئی کے اس نئے نمونہ پر اگر تعجب ہو تو کوئی حیرت کی بات نہیں ہے۔ کیوں کہ ابھی ہم اس مقام سے بہت دور پڑے ہوئے ہیں۔ ابھی تک تو ہمارا خیال ہے کہ پالیٹکس میں ہر طرح کی ہٹ دھرمی اور صریح غلط بیانی تک جائز ہے۔

مولانا کا یہ طرز عمل عام خیالات سے کس قدر مختلف ہے؟ اس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ ہو گا۔ مولانا نے مندرجہ ذیل مطالبات لکھے

ہوئے یہ الفاظ لکھے۔ کہا جاسکتا ہے کہ پہلے فریق کی طرح دوسرے فریق کی جدوجہد بھی قابلِ ملامت نہیں۔ چونکہ یہ خیال عام خیال ہے بالکل ہی بعید تھا لوگوں کی سمجھ میں یہ بات کسی طرح نہیں آ سکتی تھی کہ گورنمنٹ کو بھی اس کی جابرانہ جدوجہد میں ناقابل ملامت مانا جائے اس لیئے تمام اخبارات نے اسے کتابت کی غلطی سمجھا اور "کہا جاسکتا ہے" کی جگہ کہا جاتا ہے" بنا دیا گویا گورنمنٹ یا اس کے طرفدار ایسا کہتے ہیں۔ ورنہ درصل ایسا نہیں ہے حالانکہ اس کے بعد کی عبارت بالکل اس تبدیلی کے خلاف تھی۔

نوان کوآپریشن کا اصول

یہ جو کچھ ہمیں نظر آیا مولانا کے مسلک کی عام حیثیت تھی۔ اگر ترکِ موالات کا پروگرام نہ ہوتا۔ جب بھی وہ ایسا ہی کرتے لیکن اب اعتبار سے بھی دیکھنا چاہیئے کہ ترکِ موالات کا اصول ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے طرزِ عمل کا کیا حال ہے۔

ترک موالات اور عدالت کے بائیکاٹ سے مقصود یہ تھا کہ عدالت میں کسی طرح کا ڈیفنس نہ کیا جائے۔ یعنی اپنے آپ کو سزا سے بچانے کے لئے کوئی کارروائی نہیں کی جائے۔ کیونکہ نوان آپریشن عدالت کے انصاف اور جواز ہی سے منکر ہے۔ اس اعتبار سے بھی مولانا نے ہمیں

بتلادیا ہے کہ ڈیفنس نہ کرنے کے کیا معنی ہیں۔

بہت سے لوگوں نے ڈیفنس نہ کرنے پر صرف اتنا ہی عمل کیا کہ عدالتی دستور کے مطابق وکلا اور قانون پیشہ اشخاص کو اپنی طرف سے مقرر نہیں کیا۔ لیکن جہاں تک تعلق اصل ڈیفنس کا ہے۔ اس میں انہوں نے کوئی کمی نہیں کی پوری طرح اپنی بے قصوری اور استغاثہ کے خلاف قانون وانصاف ہونے پر بحثیں کیں اور ہر طرح کے قانونی مواد سے استدلال بعض عالتوں میں عدالت سے انصاف کی اپیل بھی کی گئی۔ یعنی خود اپنی زبان اور قلم سے وہ سب کچھ کر گزرے جو وکیل اور کونسل ان کے ڈیفنس میں کر سکتا تھا۔ پس فی الحقیقت یہ ڈیفنس نہ کرنا نہیں ہوا بلکہ براہ راست خود ڈیفنس کرنا ہوا۔

لیکن مولانا کا طرز عمل کس قدر یکسوں اور کامل معنوں میں ڈیفنس سے مبرا ہے۔ انہوں نے اظہار بے صبری کی جگہ جرم کا صاف صاف اعتراف کیا اور بجائے انصاف کی اپیل کرنے کے عدالت کو خود ہی اپنے تمام جرائم کی فہرست سنا دی ساتھ ہی اول سے آخر تک کسی طرح کی قانونی بحث نہیں کی ایک حرف بھی اس بارے میں ہم ان کی زبان سے نہیں سنتے۔ حتیٰ کے یہ تک نہیں پوچھتے کہ جو دفعہ ان پر لگائی گئی ہے۔ واقعی ان کی تقریریں اس میں آتی بھی ہیں یا نہیں اور آتی ہیں تو کیوں کر؟ وہ تو خود ہی اپنی تقریروں کے سخت سخت مقامات نقل کر دیتے ہیں اور سی آئی ڈی کے رپورٹروں کی ناقابلیت سے جہاں کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے

اس کو استغاثہ کے حسب منشاء مکمل کر دیتے ہیں۔ فی الحقیقت ترکِ موالات اور عدالتوں کے مقاطعہ سے اصل مقصود یہ تھا جس کا مکمل نمونہ ہم ان میں دیکھتے ہیں یہ نہیں تھا کہ ڈیفنس اور بریت کا ایک طریقہ چھوڑ کر دوسرا طریقہ اختیار کر لیا جائے۔

جو لوگ صاحب نظر و انصاف ہیں وہ یقیناً اس طرز سے متاثر ہوتے ہیں اور متاثر ہوں گے۔ مولانا کے بعد ہی لاہور میں لالہ لاجپت رائے جی پر دوبارہ مقدمہ چلایا گیا۔ لیکن جب ان سے پوچھا گیا کہ وہ کوئی بیان دیں گے تو جواب میں انہوں نے کہا۔ چونکہ بیان میں از روئے قانون اپنی بریت کو لازمی طور پر لکھنا پڑے گا۔ اور یہ نو ان کو اپریشن کے خلاف ہے اس لئے غور کرنے کے بعد اب میری رائے یہی ہے کہ کوئی بیان نہیں دینا چاہیئے۔ گویا انہوں نے بھی مولانا کے طرز کی تائید کی۔

جب تک ایک حقیقت نظروں سے مستور رہتی ہے اس کا عام طور پر احساس نہیں ہوتا۔ لیکن جب سامنے آجاتی ہے تو پھر تعجب ہوتا ہے کہ اتنی صاف بات لوگوں کو کیوں محسوس نہیں ہوئی۔ یہی حال اس معاملہ کا ہے۔ مولانا کا بیان پڑھنے کے بعد فی الواقع تعجب ہوتا ہے۔ کہ کیوں اس قدر صاف اور سچی بات سے بڑے بڑے لیڈروں کو گریز رہا؟ یہ واقعہ ہے کہ ہم موجودہ گورنمنٹ اور بیوروکریٹک حکام کے جبر و ظلم کے خلاف جدوجہد کرتے ہیں اور صاف صاف کہتے ہیں کہ ہمارا مقصد ان کے قبضہ سے اپنا حق واپس لینا ہے پس بالکل قطعی اور یقینی

بات ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ ہمارے دلائل اور عقائد کی روح سے کتنا ہی صحیح ہو لیکن موجودہ گورنمنٹ کے قانون اور پوزیشن کی رو سے ضرور جرم اور بلا کسی نزاع کے دفعہ ۱۲۴ الف ہے۔ یعنی گورنمنٹ کے خلاف حقارت و نفرت پھیلانا ہے پس اگر ہم اس بات سے بے خبر ہیں۔ تو ہم اس کام کے لائق ہی نہیں ہو سکتے۔ اگر جان بوجھ کر ایسا کر رہے ہیں تو ہم کو مان لینا چاہیئے کہ گورنمنٹ اور گورنمنٹ کے نافذ کردہ قوانین کی رو سے ہم ضرور مجرم ہیں اور وہ سزا دلانے میں حق بجانب ہے۔ اس میں بچاؤ اور بریت کے لئے چناں چنیں کیوں کی جائے اور شکوہ شکایت کیوں کی جائے اور شکوہ شکایت کیوں ہو۔؟ کیا لوگ ایسا سمجھتے ہیں کہ وہ گورنمنٹ کے خلاف جدوجہد بھی کریں گے، ایسے جنگجو حریفوں کی طرح چیلنج بھی دیں گے اور پھر وہ انہیں گرفتار بھی نہ کرے اور محض معمولی معمولی سزائیں بھی نہ دے۔ مولانا کے لفظوں میں کہنا چاہیئے۔

"کہ گورنمنٹ کچھ نہیں ہے!"

یا پھر تسلیم کر لینا چاہیئے کہ جو کچھ زبان سے کہا جاتا ہے زندہ دل میں نہیں ہے زبان چیلنج دیتی ہے مگر دل میں یہی ہوتا ہے کہ ہم آخر وقت تک بچتے رہیں گے، اور یہ محض زبانی شیخی کر رہے ہیں، ورنہ سچ مچ پکڑے نہیں جائیں گے۔

سی. آئی. ڈی کے رپورٹر

اسی سلسلے میں مولانا کے طرز عمل کی ایک اور صداقت ہمارے سامنے آئی انہوں نے کیسی صفائی اور راست بازی کے ساتھ تسلیم کر لیا ہے کہ سی آئی. ڈی کے رپورٹروں نے ان کے خلاف جو کچھ کہا وہ صحیح ہے۔ اس میں کوئی بات شرارت کی نہیں ہماری پولٹیکل جدوجہد کی تاریخ میں سب سے پہلی مثال ہے کہ اس فراخدلی کے ساتھ ملزم نے ان لوگوں کی شہادت کی تصدیق کی ہے کہ جو ملزم کے برخلاف اس کی کوشش کر رہے ہیں کہ عمر بھر کی قید کی سزا دلادی ہے۔ انسان کی ایک سب سے بڑی عام کمزوری یہ ہے کہ وہ فریقانہ تعصب سے اپنے آپ کو محفوظ نہیں رکھ سکتا۔ صداقت کے لئے سب سے زیادہ مشکل آزمائش اسی وقت ہوتی ہے جب وہ دشمنوں اور مخالفوں کے مقابلہ میں کھڑی ہوتی ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے بڑے بڑے لیڈر بھی اس میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتے کہ مخالف فریق کو بوقت ضرورت غلط الزامات دیدیئے جائیں، یا کم از کم موافقت میں کوئی کلمہ زبان سے نہ نکالا جائے وہ کہتے ہیں، کہ یہ مصالح جنگ ہیں غلط بیانی اور جھوٹ نہیں لیکن فی الحقیقت یہ یورپ کا پولٹیکل اخلاق ہے جس پر یورپ سے بیزار ہو کر بھی ہم

شوق سے عمل کر رہے ہیں۔

ابھی اس سال کی بات ہے کہ علی گڑھ میں پولیس کے اشتعال سے فساد ہوا۔ جیساکہ قاعدہ ہے پولیس کے اشتعال اور تشدد سے پبلک بھی مشتعل ہوئی اور مشتعل ہونے کے بعد اس نے بھی وہ سب کچھ کیا جو ایک پرجوش مجمع کی فطرت کیا کرتی ہے۔ لیکن اخبار انڈی پنڈنٹ کے نامہ نگار اور بعض دیگر مقامی لیڈروں نے اس سے صاف انکار کر دیا، وہ آخر تک یہی کہتے رہے کہ مجمع نے کوئی انتقامی کارروائی نہیں کی نہ کوتوالی پر حملہ کیا گیا نہ پولیس پر پتھر پھینکے گئے نہ کوتوالی کا سامان جلایا گیا یہ سب جھوٹ ہے حالاں کہ یہ سب سچ تھا اور سچ ماننے میں ہماری طاقت اور فتح مندی۔ آخر جب مہاتما گاندھی جی نے سختی کے ساتھ مضامین لکھے تب جاکر خاموش ہوئے۔ اس طرح کی ہٹ دھرمیوں کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ حریف کی نظروں میں جو یقیناً اصلیت سے بے خبر نہیں ہے۔ ہمارے کیرکٹر کی کمزوری خود کھل جاتی ہے اور ہماری بات ہلکی اور بے وزن ہوکر رہ جاتی ہے۔ ہمیں یاد نہیں پڑتا کہ آج تک کبھی کسی نے یہ تسلیم کیا ہو کہ اس کے خلاف پولیس کا بیان صحیح ہے۔ بلا شبہ یہ صحیح ہے کہ پولیس کی کذب بیانیوں کی بھی کوئی حد تک نہیں لیکن نہیں جھوٹ گھڑنے کی ضرورت نہیں پڑتی ہے۔ جہاں اصل میں کچھ نہ ہو۔ جہاں فی الواقع گورنمنٹ کے خلاف کارروائی کی گئی ہے۔ وہاں تو وہ بھی اس سے زیادہ نہیں کریں گے کہ مخالف ہی دکھلائیں یا کچھ مبالغہ کر دیں پھر

کیوں واقعات کو صریح جھٹلایا جائے۔

ان کا عفو و تحمل اور روش کی متانت

ایک بڑی سبق آموز حقیقت ان کی روش کی کمال درجہ سنجیدگی و متانت اور نہایت ہی موثر عفو و درگزر بھی ہے۔ یہ وصف بھی ایسا ہے کہ جس پر غور کرنے کی ہماری قومی لیڈروں اور کارکنوں کو بڑی ہی ضرورت ہے۔

یہ قدرتی کمزوری ہم تمام انسانوں میں ہے کہ مخالف کے مقابلہ میں غصہ اور غیظ و غضب سے بھر جاتے ہیں علی الخصوص اس حالت میں جب کہ مخالف صاحبِ اختیار و طاقت بھی ہو لیکن ایک لیڈر اور بڑے آدمی کو عام انسانوں سے زیادہ جذبات پر قابو رکھنا چاہیئے کسی انسان کی بڑائی کے لئے یہ کم بات ہے کہ وہ وقت پر اپنے غصہ کو ضبط کر سکے۔ بہت سے لوگ یہ غلطی بھی کر جاتے ہیں کہ شجاعت و ہمت اور طیش و غضب میں فرق نہیں کرتے بہت زیادہ غصے میں آجانے کو ہمت اور بہادری سمجھتے ہیں۔ حالانکہ سچا بہادر وہی ہے جو تکلیف جھیلنے میں اس قدر مضبوط ہو کہ تکلیف دیکھ کر اسے غصہ ہی نہ آئے علاوہ بریں غصہ اور طیش کے ہیجان میں واقعات اور حقیقت کی تاثیر بھی نمایاں نہیں ہو سکتی۔

مولانا کے طرز عمل کی ایک نمایاں بات ان کی بے حد متانت اور سنجیدگی ہے۔ عدالت کی تمام کارروائیوں کی اثنار میں کہیں بھی یہ نظر نہیں آتا کہ وہ غصّے میں بھرے ہوئے ہیں یا دشمن کے قابو میں اپنے آپ کو پاکر پیچ و تاب کھا رہے ہیں بر خلاف اس کے ان کے بیان کی ہر سطر سے کامل متانت اور ضبط ٹپکتا ہے اور جس حصّہ کو دیکھا جائے جذبات کے جوش کا اثر نہیں آتا۔ انہوں نے سخت جوش انگیز پولٹیکل معاملات پر اس طرح بحث کی ہے گویا ایک شخص نہایت سادگی کے ساتھ محض واقعات و حقائق پر لکچر دے رہا ہے۔ وہ گویا گرفتار ہونے کے بعد غیظی جذبات سے بالکل خالی ہو گئے تھے۔

اس سے بھی زیادہ مؤثر مقام بیان کا خاتمہ ہے جہاں انہوں نے ان تمام لوگوں کا ذکر کیا ہے جو ان کے خلاف مقدمہ میں کام کر رہے تھے اپنے مخالف گواہوں، سرکاری وکیل اور مجسٹریٹ کی نسبت پوری خوش دلی کے ساتھ لکھ دیا ہے کہ انہیں کوئی شکایت یا رنج ان سے نہیں ہے اور اگر ان سے کوئی قصور اس بارے میں ہوا تو وہ سچے دل سے کئے دیتے ہیں۔ مجسٹریٹ کی نسبت لکھا ہے کہ وہ اپنا فرض انجام دے رہا ہے اور حکومت کی مشینری کا ایک جزء ہے۔ جب مشینری میں تبدیلی نہ ہو تو اس کے اجزاء کے افعال میں بھی کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ پس اس سے بھی انہیں کوئی شکایت نہیں ہے ان کے بیان کا خاتمہ بے حد مؤثر ہے۔ وہ ضرب المثل کی طرح ہمارے لٹریچر میں زندہ رہے گا جس

طرحِ بیان کے بہت سے جملے اپنی لفظی و معنوی خوبصورتی و صداقت کی وجہ سے ہمیشہ یاد رکھے جائیں گے ہم بیان کے مطالب کی اہمیت، طرزِ بیان کی دل نشینی اسلامی حریت کی عالمانہ ترجمانی، فرائض ملک و ملت کی بہتان، سبق آموزی کی قدر و قیمت کا اندازہ ناظرین کے ذوقِ سلیم پر چھوڑتے ہیں اور مولانا ہی کے لفظوں میں یہ کہہ کر گزارش ختم کر دیتے ہیں کہ مستقبل فیصلہ کرے گا۔ اور اسی کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوگا۔

نالہ از بہر رہائی نہ کند مرغ اسیر
خورد افسوس زمانے کہ گرفتار بود

ایک عظیم الشان بیان

A GREAT STATEMENT

مہاتما گاندھی جی اپنے اخبار "ینگ انڈیا" کی اشاعت ۲۳ فروری ۱۹۲۲ء میں عنوان بالا سے رقمطراز ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے جو بیان عدالت میں دیا ہے اس کی نقل انگلی میرے پاس پہنچی ہے فل سکیپ سائز کے ۲۳ صفحوں پر ٹائپ

کیا ہوا ہے۔ لیکن اس قدر طویل ہونے پر بھی سب کا سب پڑھنے کے قابل ہے اصل بیان مولانا کی فصیح و بلیغ اردو میں ہوگا۔ یہ اس کا انگریزی ترجمہ ہے ترجمہ برا نہیں ہے۔ لیکن میں خیال کرتا ہوں کہ اس سے بہتر ممکن تھا۔

مولانا کے بیان میں بہت بڑی ادبی خوبصورتی ہے وہ نہایت وسیع روانی کے ساتھ نہایت پرجوش بھی ہے وہ نہایت دلیرانہ ہے۔ اس کا لہجہ غیر متزلزل اور غیر آتشی طلب (ان کمپرو وائزنگ) ہے مگر ساتھ ہی سنجیدہ اور متین بھی ہے۔ تمام بیان میں اول سے آخر تک ایک پرجوش اثر پایا جاتا ہے۔ اور ایسا ہوتا ہے گویا خلافت اور نیشلزم پر مولانا ایک پر اثر خطبہ دے رہے ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ کہ اس بیان کو چھپا کر شائع کر دیا جائے گا۔ میں مولانا کے سیکریٹری کو مشورہ دوں گا کہ احتیاط کے ساتھ انگریزی پر نظر ثانی کریں اور کتاب کی صورت میں چھاپ کر شائع کر دیں۔

مولانا کا بیان پڑھ کر جب میں فارغ ہوا تو ایک بات بہت زیادہ واضح ہو کر میرے سامنے آگئی۔ یعنی عدالتوں کو بائیکاٹ کرنے کی اصلی ضرورت کیا ہے؟

میں نے محسوس کیا کہ اگر ہم نے ایسا نہ کیا ہوتا تو یہ بے خوفی اور مضبوطی ہم میں کہاں ہوتی جو آج ہمارے اندر کام کر رہی ہے۔ مسٹر سی آر داس اور لالہ لاجپت رائے پنڈت موتی لال نہرو کے شریفانہ اعلانات

سے پہلے ہمارے اندر صرف چھوٹے چھوٹے زبانی جھگڑے اور باہم دیگر الزامات تھے جو کبھی ایک قوم کو سربلند نہیں کر سکتے۔

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اگر ہم نے عدالتوں کا بائیکاٹ نہ کیا ہوتا تو ہم کو مولانا کے بیان جیسی گراں قدر چیز نہیں ملتی جو بجائے خود ایک بہترین سیاسی تعلیم ہے۔ عدالتوں کے بائیکاٹ کا اثر صرف اسی چیز میں نہیں دیکھنا چاہیئے کہ کتنے قانون پیشہ اصحاب نے پریکٹس چھوڑ دی۔ اصلی چیز دیکھنے کی یہ ہے کہ آج سے دو سال پہلے جو ہماہمی اور رونق عدالت گاہوں کے اندر باہر نظر آتی تھی وہ کس طرح مفقود ہو گئی ہے۔ اب تو صرف لین دین کرنے والوں اور قمار بازوں کی ایک کمین گاہ ہے۔ نہ وہ قومی آزادی کا سرچشمہ ہے۔ نہ انفرادی آزادی کا۔ اس بات کا کہ قوم کتنی تیزی کے ساتھ آگے بڑھ رہی ہے؟ صرف بہادر بے خوف دلوں کے جذبات دیکھنے ہی سے ہو سکتا ہے۔

مولانا کے بیان کا روئے سخن اگرچہ عدالت کی طرف ہے۔ لیکن دراصل وہ ملک و ملت سے خطاب کر رہے ہیں۔ فی الحقیقت ان کا بیان ایسا ہے۔ گویا عمر بھر کے لئے سخت سزاؤں کا مطالبہ کیا جا رہا ہے۔

ایک سال قید بامشقت کی سزا کا فیصلہ سن کر مولانا نے کیا خوب کہا۔ "میں جس سزا کا متوقع تھا اس سے تو یہ بہت ہی کم ہے۔"

اب میں مولانا کے بیان کے چند حصے نقل کرتا ہوں کہ ناظرین خود اندازہ کر لیں۔

اس کے بعد مولانا کے بیان کا انگریزی ترجمہ درج کیا گیا ہے۔ انگریزی ترجمہ کی نسبت مہاتماجی نے جو خیال ظاہر کیا ہے وہ صحیح ہے۔

بلاشبہ ترجمہ میں اصل بیان کی بہت سی ادبی خوبیاں مفقود ہو گئیں۔ وہ زور بھی باقی نہ رہا جو اصل میں موجود ہے۔ لیکن ترجمہ کی مشکلات اور وقت کی کوتاہی پر بھی نظر رکھنی چاہیئے علی الخصوص ایک ایسے لٹریچر کے لئے جیسا کہ مولانا کا ہے۔ بہرحال اب مہاتماجی کے ارشاد کے مطابق انگریزی ترجمہ کی از سر نو نظر ثانی کر دی گئی ہے۔ ایک مسلم انگریزی انشاء پرداز بھی مشورہ میں شریک ہیں۔ امید ہے کہ پہلے سے زیادہ پرزور اور مکمل ہوگا اگرچہ اصل کے محاسن اب بھی ترجمہ میں نظر نہیں آ سکتے۔ اردو ایڈیشن کی طرح وہ بھی رسالہ کی شکل میں چھپ رہا ہے۔ جن حضرات کو مطلوب ہو مرکزی کمیٹی بمبئی سے منگوالیں۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیغام

وقل الحمد للہ سیریکم آیاتہ فتعرفونھا وما ربک بغافل عما تعملون

مباش غمزۂ عرفی کہ زلف و قامت یار
جز ارہمتِ عالی دوست کوتہ ناست

آج ۸؍ دسمبر ۱۹۲۱ء صبح ہے۔ کل شام قابل وثوق ذرائع سے اطلاع مل گئی ہے کہ گورنمنٹ بنگال نے وائسرائے کے مشورے کے بعد میری اور مسٹر سی آر داس کی گرفتاری کا فیصلہ کر لیا ہے۔ میری نسبت گورنمنٹ کا ارادہ یہ ہے کہ اگر میں گیارہ تاریخ تک کلکتہ سے باہر نہ گیا تو مجھے گرفتار کر لے گی۔ لیکن اگر میں بدایوں کے جلسہ جمیعۃ علماء کے لئے چلا گیا تو پھر گویا اس کے سر سے بلا ٹل جائے گی۔ صرف مسٹر داس گرفتار کر لئے جائیں گے۔

میرا وقت تمام تر بنگال سے باہر ہندوستان کے کاموں میں خرچ ہوتا رہا اس وقت بھی تحریک کے نہایت اہم کاموں میں مشغول تھا۔ اور ۲۵۔ دسمبر تک کا پروگرام میرے سامنے تھا۔ لیکن اچانک بنگال

میں گورنمنٹ کی نئی سرگرمی شروع ہو گئی اور اس کے بعد دوسرے صوبوں میں بھی اس کی تقلید کی گئی۔

کانگریس کی ورکنگ کمیٹی کے جلسہ کی وجہ سے میں تھا۔ مہاتما گاندھی جی سے میں نے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کے چند دنوں کے لئے کلکتہ چلا جانا ضروری ہے۔ چنانچہ یکم ستمبر کو میں کلکتہ پہنچا۔ میں نے دیکھا کہ گورنمنٹ نے آخری حد تک تشدد کرنے کا ارادہ کر لیا ہے اور کوئی ناجائز طریقہ ایسا نہیں ہے جو ۴ ار کی ہڑتال روکنے کے لئے عمل میں نہ آرہا ہو تاہم لوگ پوری استقامت کے ساتھ صبر و سکون پر ہیں

میرا پہلا کام یہ تھا کہ لوگوں کے ایمان و استقامت دونوں کی نسبت اطمینان کر لوں یہ اطمینان مجھے ۵ تک حاصل ہو گیا۔ اب میں نے سوچا کہ کلکتہ سے باہر جاؤں یا نا جاؤں۔ بدایوں کا جلسہ جمعیۃ میں جانا بھی ضروری تھا۔ ۶ ر تک میں تذبذب میں رہا میں نے مہاتما گاندھی کو لکھدیا کہ بقایہ کاموں کے لئے مسٹر سی آر داس کافی ہوں گے۔ میں بدایوں ہو کر بمبئی آتا ہوں۔ لیکن ۶ ر کی شام یکایک حالات نے دوسری شکل اختیار کر لی۔ میں نے محسوس کیا کہ گورنمنٹ کی تمام طاقت کلکتہ میں سمٹ آئی ہے اور گویا مقابلہ کا فیصلہ کن میدان یہیں پیدا ہو گیا ہے پس میرے لئے ضروری ہو گیا کہ تمام کاموں کو ترک کر کے کلکتہ کے لئے وقف ہو جاؤں۔ میں نے فیصلہ کر دیا کہ اب میں یہیں رہوں گا یہاں تک کہ گورنمنٹ جابرانہ احکام واپس لے یا گرفتار کر لے۔

میں نے یہ بھی دیکھا کہ گورنمنٹ نے خلافت اور کانگریس کمیٹیوں کو بالکل توڑ دینے اور معطل کر دینے کا ارادہ کر لیا ہے ایک ایک کر کے تمام کارکن گرفتار کیے جا رہے ہیں۔ قومی اخبارات بھی عنقریب بند کر دیئے جائیں گے۔ مسٹر داس بالکل تنہا رہ گئے ہیں۔ اس بنا پر بھی میرے لیے کلکتہ چھوڑنا ناممکن تھا۔ سچ ہے کہ گورنمنٹ بنگال مجھے گرفتار کرنے سے بچنا چاہتی ہے اور منتظر ہے کہ میں کلکتہ سے باہر چلا جاؤں گورنمنٹ کے ایک بھیجے ہوئے دوست نے مجھے مطلع بھی کر دیا ہے لیکن افسوس کہ گورنمنٹ کی تمام خواہشوں کی طرح یہ خواہش بھی میری خواہش سے متضاد ہے اور میرا موجودہ فرض تعمیل نہیں ہے بلکہ خلاف ورزی ہے میں نے پوری طرح غور کر کے یہ فیصلہ کر لیا ہے، بلاشبہ بہت سے کاموں کے لیے میں اپنی موجودگی ضروری دیکھتا ہوں۔ کام اور ضرورت کا یہ حال ہے کہ جس قدر بھی مہلت مل جائے اس سے کام لینا چاہیئے۔ لیکن اللہ کے فضل نے کلکتہ میں جو میدانِ عمل پیدا کر دیا ہے، وہ بھی ہر اعتبار سے مجھے قیمتی اور اہم معلوم ہوتا ہے۔ میں یقین رکھتا ہوں کہ میرا انتخاب غلط نہ ہوگا۔

گورنمنٹ نے میری گرفتاری کا فیصلہ کر کے مجھے ایک بہت بڑے بوجھ سے نجات دیدی۔ خدا بہتر جانتا ہے کہ میرے لیئے اب جیل سے باہر رہنا کس قدر تکلیف دہ ہو گیا ہے۔ جو پہلے جاتے ہیں انہیں کیا معلوم کہ پیچھے رہ جانیوالوں کے دلوں پر کیا گزرتی ہے۔ محمد علی،

شوکت علی، لالہ راجپت رائے، پنڈت موتی لال نہرو سب کا سفر پورا ہو گیا اور میں اب تک منزل کے انتظار میں تھا اب منزل میرے سامنے ہے اور میرا دل خوشی سے معمور ہے کہ ایک آخری اور فتح مند میدان پیچھے چھوڑ رہا ہوں۔ میں نے کلکتہ کے موجودہ میدان عمل کو آخری اور فتح مند میدان کہا۔ یہ میرا یقین ہے اور عنقریب تمام ملک دیکھ لے گا۔ جو کام دو سال کے اندر تمام ملک میں انجام نہ پا سکا وہ چند دنوں کے اندر کلکتہ میں انجام پائے گا۔ دو مسلمین بناہ بعض حین۔ البتہ اس آخری کام کی تکمیل اور مضبوطی کے لئے آخری مرحلہ باقی ہے۔ اور میں بے فکر ہو گیا ہوں کہ گورنمنٹ بنگال کے ہاتھوں وہ بھی پورا ہو گا۔ اگر دو تین دن کے اندر مجھے اور مسٹر سی آر داس کو گرفتار کر لیا گیا تو یہ نہ صرف کلکتہ بلکہ تمام بنگال کو ایک نئی بیداری اور زندگی سے معمور کر دے گا۔ بنگال کو ہم دو سال تک آزادہ کر بیدار نہ کر سکے۔ لیکن ہماری گرفتاری ایک منٹ کے اندر بیدار کر دے گی میں اپنی گرفتاری میں تمام مسلمانان ہند کی ایک نئی کروٹ دیکھ رہا ہوں مجھے خاص طور پر پنجاب صوبہ سرحد اور بہار پر اعتماد ہے ان تین صوبوں کے مسلمانوں نے ہمیشہ میری بات کو اعتماد اور قبولیت کے ساتھ سنا ہے۔ وہ گزشتہ دس سال سے میری امیدوں کا مرکز ہیں مجھے یقین ہے کہ میری گرفتاری ان کے لئے آخری دعوتِ عمل ہو گی جو حقیقت تین سال کی پیہم تقریروں اور تحریروں میں نہیں سمجھا سکا تھا وہ میری گرفتاری کی خاموشی سمجھا

دے گی۔

اس طرح گورنمنٹ بنگال صرف بنگال ہی کے لئے نہیں بلکہ تمام ملک کے لئے ایک بہترین خدمت انجام دے رہی ہے۔

اوّلین مبارک باد

اگر میں گرفتار ہو گیا تو مہاتما گاندھی جی کو میرا یہ پیغام پہنچا دیا جائے۔ میں آپ کی فتحیابی پر سب سے پہلے مبارک باد دیتا ہوں۔ اس مبارک بادی کے لئے آپ مجھے جلد باز نہ سمجھیں۔ میں اس اٹل وقت کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اس مبارک باد دینے میں کوئی دوسرا مجھ پر سبقت نہ کر جائے۔ آپ کے ساتھ انسانی رفاقت روز بروز گھٹ رہی ہے۔ مگر خدا کی مدد بڑھتی جاتی ہے۔ بمبئی کے حادثے نے آپ کے دل کو بہت صدمہ پہنچایا۔ میں آپ کو افسردہ اور غمگین دیکھ کر نہایت درمندہ ہوا تھا۔ لیکن اب کلکتہ اٹھا ہے تاکہ غمگینی کی جگہ خوشی اور کامیابی کا تحفہ اپنے سامنے پیش کرے۔ آپ نے ۲۵، نومبر کی شام کو جب مجھ سے کلکتہ کے بارے میں گفتگو کی تو میں نے آپ کو اطمینان دلایا تھا۔ میں خوش ہوں کہ میرا اطمینان بالکل صحیح نکلا۔ کلکتہ میں ۱۵ سال سے کام کر رہا ہوں۔ نصف صدی کی خاندانی زندگی رکھتا ہوں۔ اس لئے میرا اطمینان

تمام یقین پر مبنی تھا گزشتہ تین سال کے اندر تحریک خلافت کے سب اہم کام کلکتہ ہی کے مسلمانوں نے انجام دیئے ہیں۔ اب آخری منزل میں بھی پہلا قدم وہی اٹھائے گا۔ اس نے باامن قربانی کا راز پا لیا ہے۔ وہ تو بھڑ کے گا نہ بجھے گا مگر اس کی آگ برابر سلگتی رہے گی۔ باامن سول ڈس اوبیڈینس کی منزل طے کرنا اسی کے حصہ میں آیا ہے۔ اور وہ اس کا حقدار ہے۔

آخری پیغام

میرا آخری پیغام وہی ہے جو اب سے دس برس پہلے پیغام تھا۔

لا تہنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین!

نہ تو ہراساں ہوں نہ غمگین ہو۔ تم ہی سب پر غالب ہو گے اگر سچا ایمان اپنے اندر پیدا کر لو۔

ہماری تمام فتحمندیوں کی بنیاد چار سچائیوں پر ہے اور میں اس وقت بھی ملک یا باہر باشندے کو ان ہی کی دعوت دیتا ہوں۔

(۱) ہندو، مسلمانوں کا کامل اتفاق۔ (۲) امن (۳) تنظم (۴) قربانی اور اس کی استقامت۔

مسلمانوں سے میں خاص طور پر التجا کروں گا کہ اپنے اسلامی شرف

کو یاد رکھیں اور آزمائش کی اس فیصلہ کن گھڑی میں اپنے تمام ہندوستانی بھائیوں سے آگے نکل جائیں۔ اگر وہ پیچھے رہے تو ان کا وجود چالیس کروڑ مسلمانانِ عالم کے لئے شرم و ذلّت کا ایک دائمی دھبہ ہوگا۔

میں مسلمانوں سے خاص طور پر دو باتیں اور بھی کہوں گا ایک یہ کہ اپنے ہندو بھائیوں کے ساتھ پوری طرح متفق رہیں۔ اگر ان سے کسی ایک بھائی یا کسی ایک جماعت سے ایک بات نادانی کی ہو بھی جائے تو اسے بخشدیں اور اپنی جانب سے کوئی بات ایسی نہ کریں جس سے اس مبارک اتفاق کو صدمہ پہنچے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مہاتما گاندھی جی پر پوری طرح اعتماد رکھیں۔ اور جب تک وہ کوئی ایسی بات نہ چاہیں (اور کبھی نہ چاہیں گے) جو اسلام کے خلاف ہو۔ اس وقت تک پوری سچائی اور مضبوطی کے ساتھ ان کے مشوروں پر کاربند رہیں۔

مرکزی خلافت کمیٹی

مرکزی خلافت کمیٹی کے کاموں کی طرف سے میں مطمئن ہوں اس کے باہمّت اور سرگرم صدر سیٹھ چھٹانی صاحب کی موجودگی ہر طرح

میرے عزیز ڈاکٹر سید محمود سکریٹری منتخب ہو چکے کفایت کرتی ہے۔ ہیں اور نہایت ہی سرگرمی سے کام کر رہے ہیں۔ ان کی اعانت کے لئے مسٹر احمد صدیق کھتری پیشتر سے موجود ہیں۔ مجھے امید ہے کہ دفتر کے تمام اخوان و ارکان ان باتوں کو فراموش نہ کریں گے جو گذشتہ قیام بمبئی کے موقعہ پر میں نے ان سے کہی تھیں۔ ان کی متحدہ زندگی اور سعی ہماری عدم موجودگی کی پوری طرح تلافی کر دے گی۔

حکیم محمد اجمل خاں صاحب

حکیم صاحب کو میرا یہ پیغام پہنچا دیا جائے کہ اب آپ کی روشن ہمت پر صرف آپ ہی کے فرائض کا نہیں بلکہ ہم سب کا سب بوجھ آپڑا ہے۔ حکمت الٰہی کا منشا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ باہر کے تمام کام آخر تک آپ ہی انجام دیں بہتر یہ ہے کہ اب بمبئی تشریف لے جائیں اور دہلی کی فکر چھوڑ دیں۔

انگورہ فنڈ

افسوس ہے کہ انگورہ فنڈ کی مزید تکمیل کا مجھے موقع نہیں ملا۔ غالباً

اس وقت تک دس لاکھ روپیہ فراہم ہوگیا ہے۔ پہلے آخر دسمبر تک کا زمانہ قرار پایا تھا۔ اب بہتر ہوگا ایک ماہ کی مدّت اور بڑھا دی جائے اور جنوری کے آخر تک فراہمی کا سلسلہ جاری ہے۔

میرا ارادہ تھا کہ دسمبر کے وسط میں ایک خاص تاریخ نام وصولی کیلئے قرار دی جائے اور جس طرح مردم شماری کے وقت انتظام ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر جگہ انتظام کیا جائے۔ پہلے سے اعلان کر دیا جائے کہ فلاں وقت چندہ کرنے والے نکلیں گے۔ ہر شخص حتی الامکان اپنے گھر میں رہے پھر وصول کرنے والے تمام شہر میں پھیل جائیں اور ہر مسلمان کے آگے دست سوال دراز کریں۔ کم از کم ایک مرتبہ تو ایسا ہونا چاہئے کہ ہندوستان کا مسلمان حفاظت اسلام و خلافت کے لئے کچھ قربان کر دے۔

لیکن کلکتہ پہنچ کر جب عام ملک کی حالت پر نظر ڈالی تو یہ وقت اس کے لئے موزوں معلوم نہ ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ احمد آباد خلافت کانفرنس میں اس کا اعلان ہو جائے اور جنوری کے پہلے ہفتے کی تاریخ مقرر کر دی جائے۔

جمیعۃ العلماء

کا وجود اس وقت سب سے زیادہ اہم اور سب سے زیادہ ذمہ دار ہے۔ وہ علماء کا مجمع ہے اور علماء کے سوا کوئی نہیں جسے مسلمانوں کی دینی اور دنیوی رہنمائی پیشوائی کا منصب حاصل ہو جمعیتہ کے سامنے اس وقت ایک نہایت اہم اسلامی مسئلہ تھا۔ اللہ تعالیٰ تمام ارکان جمعیتہ کو توفیق دے کہ اجتماع بدایوں) میں کامل اتفاق جماع کے ساتھ کسی بہتر فیصلہ پر پہنچیں۔ سردست میں ارکان جمعیتہ سے بہ ادب عرض کروں گا۔

(۱) آپ سب کا باہمی اتحاد ہر حال میں ضروری اور تمام مقاصد کے لئے بنیاد کار ہے۔ (۲) ہندو، مسلمانوں کے اتفاق و ضرورت کی اہمیت اور شرعی استحسان آپ کی نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اس کی پوری طرح حفاظت کرنی چاہیئے اور اس کی حفاظت آپ ہی کے ہاتھ میں ہے۔
(۳) احمد آباد کانگریس میں تمام علماء اسلام اور خاصتہً ارکان جمعیتہ کو ضرور شریک ہونا چاہیئے۔ اور جمعیتہ علماء کی جانب سے اس کا اہتمام کرنا چاہیئے۔
(۴) لاہور میں ارکان عامہ کی تجویز منظور ہی ہوئی ہے اس پر فوراً عملدرآمد شروع ہو جائے اور جہاں تک جلد ممکن ہو مجوزہ تعداد ممبروں

کی بہم پہنچائی جائے۔

گورنمنٹ بنگال

آخر میں مجھے گورنمنٹ بنگال کے لئے بھی ایک پیغام لکھنا ہے۔ رہائی کی ہڑتال ضروری ہوگی۔ خلافت اور کانگریس رضاکاروں کا سلسلہ ہماری گرفتاری کے بعد دوگنی طاقت کے ساتھ جاری رہے گا۔

عزیزان ملک وملت

میں چار سال سے نظربند رہنے کے بعد دسمبر ۱۹۱۹ء میں رہا ہوگیا اور دو سال کے بعد اب پھر جیل جا رہا ہوں۔ اللہ آپ سب کا مددگار ہو اور راہ خدمت حق میں مستقیم رکھے۔

وافوض امری الی اللہ ان اللہ بصیر بالعباد

۸۔ دسمبر کلکتہ

گرفتاری

۱۰ر دسمبر ۱۹۲۲ء جمعہ

شیر زاغ و زغن زیبائے صید و بند نیست

ایں کرامت ہمرہ شہباز شاہیں کردہ اند!

۲۔ دسمبر سے مولانا اور مسٹر سی آر داس کی گرفتاری کی افواہ گرم تھی لیکن ۷۔ کو قابل وثوق ذرائع سے اس کی تصدیق ہو گئی۔ تاہم ۱۰ر تک گرفتاری عمل میں نہیں آئی ۸۔ ۹۔ کو صرف یہ نظر آیا کہ کاوش کے ساتھ دریافت کیا جا رہا ہے کہ بدایوں کے جلسہ جمعیۃ العلماء کے لئے جا رہے ہیں یا نہیں؟ اگرچہ کئی دن پہلے سے اس کا اعلان ہو چکا تھا کہ اب وہ کلکتہ سے باہر نہ جائیں گے اور سفر کا پورا پروگرام منسوخ کر دیا گیا ہے۔ حتی کے بعض درمیانی اشخاص سے بھی انہوں نے زبانی صاف صاف کہہ دیا تھا۔ تاہم معلوم ہوتا ہے کہ آخر تک ان کے سفر کی توقع باقی تھی اس لئے تفتیش جاری رہی۔

بدایوں کا جلسہ ۱۰۔ ۱۱ر تاریخ کو تھا۔ اس کے لئے کلکتہ سے روانگی

گی آخری تاریخ ۸ر تھی یا حد درجہ ۹۔ پس گویا ۹ر کی شام تک انتظار کیا گیا۔
اس اثنار میں رضاکاروں کی تنظیم اور تبلیغ کا کام روز بروز ترقی کرتا جارہا تھا۔ روزانہ گرفتاریوں کی تعداد بھی روز افزوں تھی۔ ۱۰ر کی صبح تک ایک ہزار سے زیادہ رضاکاروں کو گرفتار کر چکے ہیں۔
۹ر کو مولانا اور مسٹر داس نے آئندہ کام کے نظام کی نسبت ازسر نو مشورہ کیا اور یہ بھی طے کر دی گئی کہ اگر وہ دونوں بیک دفعہ گرفتار کر لئے گئے تو یکے بعد دیگرے فلاں فلاں اصحاب کام ہاتھ میں لیتے رہیں گے۔
۱۰ر کو ساڑھے ۴ بجے مسٹر گولڈی ڈپٹی کمیشنر اسپیشل برانچ ایک اسپیشل یورپین انسپکٹر پولیس کے ہمراہ آئے اور مولانا کو دریافت کیا۔ مولانا اوپر کی منزل میں اپنے نوشت وخواند کے کمرے میں تھے۔ اور مسٹر فضل الدین احمد کو خطوط کا جواب لکھوا رہے تھے۔ انہوں نے مسٹر گولڈی کو وہیں بلوایا۔ مسٹر گولڈی نے سلام کے بعد کہا۔ کیا وہ ان کے ساتھ چلیں گے۔ وہ انہیں لینے کے لئے آئے ہیں۔ مسٹر احمد نے پوچھا کیا آپ کے ہمراہ وارنٹ ہے۔ جواب میں انکار کیا گیا۔ مگر مولانا نے کہا وہ بغیر وارنٹ کے بھی جانے کے لئے مستعد ہیں۔ اس کے بعد اندر مکان میں گئے اور پانچ چھ منٹ کے بعد ہی واپس آکر جانے کے لئے آمادگی ظاہر کی انسپکٹر نے کہا اس قدر جلدی نہ کیجئے۔ اگر کوئی چیز اپنے آرام کے لئے ساتھ لینا چاہتے ہیں تو لے لیجئے۔ لیکن انہوں نے صرف ایک گرم چادر اوڑھ لی

اور کوئی چیز ساتھ نہ لی۔

جاتے وقت انہوں نے صرف یہ کہا کہ کلکتہ اور باہر کے تمام احباب اور قومی کارکنوں کو میرا پیام پہنچا دیا جائے۔ کہ تمام لوگ اپنے اپنے کاموں میں مستعدی کے ساتھ مشغول رہیں۔ مجھ سے ملنے کے لئے کوئی شخص نہ آئے نہ اپنی جگہ اور اپنے کام چھوڑے گرفتاریوں کو ایک معمولی اور متوقع واقع کی طرح محسوس کرنا چاہئے۔ کسی طرح کی خلاف معمولی اہمیت نہیں دینی چاہیئے مجھے بڑا ہی رنج ہوگا اگر کسی کارکن نے میری ملاقات کے لئے اپنا ایک گھنٹہ بھی ضائع کیا۔

اس کے بعد وہ روانہ ہو گئے۔ مسٹر گولڈی موٹر کار تک ساتھ گئے جو مکان سے کسی قدر فاصلے پر کھڑی کی گئی تھی لیکن مولانا کے ساتھ صرف انسپکٹر بیٹھا وہ خود دوسری کار پر چلے گئے۔ اس طرح زیادہ سے زیادہ دس منٹ کے اندر کامل سکون اور خاموشی کے ساتھ یہ معاملہ طے پا گیا۔ کسی شخص نے بھی محسوس نہیں کیا کہ کون سی بات پیش آئی ہے ایسا معلوم ہوتا تھا گویا روزمرہ کا معمولی واقعہ ہے جس میں دونوں فریق کے لئے کوئی خلاف توقع بات نہ تھی جو لوگ آئے وہ بھی بالکل سنجیدہ اور معمولی انداز میں تھے اور جو گیا ہو وہ اپنے روزانہ معمول کے مطابق کانگریس آفس جا رہے ہیں۔

ٹھیک اسی وقت مسٹر گلڈ ڈپٹی کمشنر پولیس مع دو تین بنگالی انسپکٹروں کے مسٹر سی آر داس کے یہاں گئے اور انہیں اپنے ساتھ لے آئے۔

جو سادہ طریقہ گرفتاری کے لئے اختیار کیا گیا وہ بالکل نیا ہے۔ اس سے پہلے کبھی یہ روش اختیار نہیں کی گئی تھی۔ کوئی گرفتاری بھی ہمیں یاد نہیں کہ جو بغیر پولیس اور فوج کی نمائش کے عمل میں آئی ہو خود مولانا کو ۱۹۱۶ء میں جب نظر بند کیا گیا تو رات نے پچھلی پہر کا مخصوص وقت اس کے لئے منتخب کیا گیا تھا اور فوجی عملہ کی شان سے قوت کی نمائش ہوتی تھی۔ تین بجے پولیس افسروں اور سپاہیوں کی مسلح جماعت ڈپٹی کمشنر کے ماتحت پہنچی، جس میں علاوہ سپرنٹنڈنٹ سی آئی ڈی کے سپرنٹنڈنٹ پولیس۔ ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ دو انسپکٹر اور پانچ انسپکٹر بھی تھے اور سب انسپکٹروں کے سوا سب کے ہاتھوں میں ریوالور تھے۔ سپاہیوں نے پہلے دور تک سڑک کی ناکہ بندی کی پھر مکان کا محاصرہ کر لیا اس کے بعد دروازہ پر دستک دی گئی۔ برخلاف اس کے اس مرتبہ معمولی انتظام بھی نہیں کیا گیا صرف دو آدمی بلا یونیفارم کے معمولی ملاقاتیوں کی طرح آگئے اور چپ چاپ اپنے ساتھ لے گئے۔ پولس کی وردی اور فوج کے اسلحہ کا نام و نشان بھی نہ تھا۔

مولانا جس مکان میں رہتے ہیں۔ وہ علاقے کے تھانے سے بالکل ملا ہوا ہے صرف دیوار بیچ میں حائل ہے۔ لیکن تھانے میں بھی کوئی تیاری نمایاں نہیں کی گئی۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب گورنمنٹ نے کم از کم دو باتیں ضرور سمجھ لی ہیں۔ جن کے سمجھنے سے اُسے اب تک انکار تھا، اور یہ کہ ملک کے لیڈر جب کہتے ہیں کہ ہم گرفتار ہو جانے کے لئے بالکل تیار ہیں۔ تو یہ کوئی

ڈپلومیسی نہیں ہے۔ بلکہ واقعی ان کے دل کی سچی آواز ہے۔ پس ان کو گرفتار کرنے کے لئے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہیں صرف اطلاع دیدیناہی کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ ایسے موقعوں پر طاقت کی نمائش ہی سے گرفتاری کا کام مشکل ہو جاتا ہے۔ غیر معمولی اہتمام اور پولیس کا ہجوم دیکھ کر ہی فوراً معلوم کرلیتی ہے کہ گرفتاری کے لئے لوگ آئے ہیں۔ پھر اچانک عوام میں بھی جوش اور سرگرمی پیدا ہوتی ہے اگر ایسا کیا جائے تو گرفتاری کا بروقت کسی کو بھی علم نہ ہو اور نہایت آسانی سے اور تیزی سے کام انجام پا جائے۔

چنانچہ مولانا کی گرفتاری کا واقعہ خود اطراف وجوانب کے لوگوں کو بھی اس وقت معلوم ہوا جب شہر میں اعلان کیا گیا۔ جاتے وقت بہت سے لوگوں نے انہیں ایک موٹر کار میں بیٹھتے دیکھا۔ لیکن کسی کو بھی یہ خیال نہ ہوا کہ وہ جیل جا رہے ہیں۔ جب وہ موٹر کار میں سوار ہو رہے تھے تو حسب معمول کچھ دوکاندار اور کچھ راہ گیر سلام کرنے کے لئے جمع ہو گئے تھے جیسا کہ وہ ہر روز آتے اور جاتے کیا کرتے تھے لیکن انہوں نے بھی کوئی غیر معمولی بات محسوس نہیں کی۔ لیکن فی الحقیقت یہ طریقہ فریقین کے لئے ہر طرح بہتر اور آرام دہ تھا کاش گورنمنٹ ابتدا سے اس پر عمل درآمد کرتی تو بہت سی دقیتں اور پریشانیاں نہ آگے سے پیش آتیں نہ ملک کو۔

مولانا کو پہلے پولیس کمشنر کے آفس پہنچایا گیا۔ تقریباً ۲۰ منٹ بیٹھے ہوں گے مسٹر داس بھی وہیں پہنچا دیئے گئے پھر ایک موٹر کار لائی گئی

اس میں دونوں سوار ہوئے۔ ایک یوریین پولیس آفیسر موٹر ڈرائیور کے ساتھ بیٹھ گیا۔ اور موٹر پریسی ڈنسی جیل (علی پور) کی طرف روانہ ہو گئی۔ موٹر کار اس وقت بھی بالکل کھلی تھی پریسی ڈنسی جیل میں پیشتر سے اطلاع دیدی گئی تھی اور تمام انتظامات مکمل تھے پولیس آفیسر نے دونوں صاحبوں کو جیلر سے ملایا۔ اور اس کے حوالے کر کے واپس چلا گیا۔

مولانا نے جیل کے آفس میں مغرب کی نماز پڑھی نماز کے بعد سپرنٹنڈنٹ سے انہیں ملایا گیا۔ دراصل سپرنٹنڈنٹ کے سامنے قیدیوں کو حسب قاعدہ پیش کرنا تھا۔

سپرنٹنڈنٹ نے کہا کھانے کے لیے حکم دیدیا گیا ہے۔ نہیں معلوم اس حکم کا مقصد کیا تھا کیوں کہ اس کا کوئی نتیجہ ظہور میں نہیں آیا۔ اگر مقصد یہ تھا کہ تمہارے مکان سے کھانا طلب کر لینے کا حکم دے دیا گیا ہے تو باوجود یہ کہ دونوں صاحبوں کے یہاں ٹیلیفون ہے لیکن کوئی اطلاع ان کے یہاں نہیں دی گئی۔ اگر مقصود جیل کھانے سے تھا۔ تو جس وارڈ میں ہم رکھے گئے وہاں کوئی انتظام کھانے کا نہ تھا۔

اس کے بعد وہ یوریین وارڈ میں پہنچا دیئے گئے جہاں الگ کمروں میں فوراً مقفل کر دیا گیا۔ کمروں پر گورکھا سپاہیوں کا پہرہ تھا۔

یہ وارڈ جیل کا بہتر حصہ سمجھا جاتا ہے اور یہاں صرف انڈر ٹرائل یوریین قیدی رکھے جاتے ہیں دو منزلہ عمارت ہے اور نیچے پانچ پانچ کمرے ہیں، ہر کمرہ دس فیٹ طول و عرض کا ہوگا۔ ہر کمرہ میں ایک صراحی

تام چینی کا کٹورا اسٹول اور ایک ٹیبل ہوتا ہے۔ سونے کے لئے ٹاٹ کی گدیلی اور دو کالے کمبل ہوتے ہیں اور جیل میں مستعمل ہیں۔ تکیہ کی جگہ ٹاٹ کی ایک پتلی اور چھوٹی سی گدیلی سرہانے لگی ہوتی ہے۔

مولانا نے بعد کو بیان کیا کہ ہم لوگ تقریباً سات بجے اپنے اپنے کمروں میں بند کیے گئے ساڑھے سات بجے میں نے کمرے کی سلاخوں سے باہر دیکھا تو عشا کا وقت اچھی طرح آچکا تھا۔ میں نے عشاء کی نماز پڑھی دو چار گھونٹ پانی کے پیئے اور لیٹ گیا۔ دو سال کے بعد آج یہ پہلا موقع ہے کہ مجھے اس قدر جلد اور ایسی گہری نیند آگئی۔ برسوں سے میری نیند کمزور ہو گئی ہے آج کل یہ حال تھا کہ گیارہ بارہ بجے لیٹتا تھا۔ ایک دو گھنٹے تکلیف وہ انتظار کے بعد کہیں آتی تھی۔ وہ بھی اس قدر کہ ذرا سی کھڑکھڑاہٹ خلل ڈال دیتی تھی۔ لیکن اس رات ساڑھے آٹھ بجے لیٹا اور لیٹتے ہی گیا۔

تین بجے سے پہلے آنکھ نہ کھلی۔ سنتری کے فوجی بوٹوں کی آواز سمنٹ کے برآمدے میں بڑے زور سے ہو رہی تھی۔ لیکن میری نیند میں ذرا بھی خلل نہ پڑا۔

یہ اطمینان اور بے فکری صرف اس لئے نہ تھی کہ جیل میں آگیا۔ بلکہ اس لئے تھی کہ کاموں کی تکمیل کے لئے مجھے اپنی گرفتاری کے ضروری ہونے کا کامل یقین تھا۔

گرفتار ہونے کے بعد ایسا محسوس ہونے لگا گویا ایک پریشانی

کن بوجھ سے دماغ ہلکا ہوگیا ہے۔

پہلے اس وارڈ میں مولوی عبد الرزاق صاحب ایڈیٹر پیغام بابو بدم راج جین۔ مسٹر داس کے لڑکے اور کئی پولٹیکل قیدی رکھے گئے تھے۔ لیکن جب یہ دونوں صاحب یہاں لائے گئے تو دوسرے دن صبح ہی سب کو دوسرے وارڈ میں بھیج دیا گیا۔

صبح کو کرنیل ہملٹن سپرنٹنڈنٹ اور جیلر وارڈ میں آئے کرنیل ہملٹن اپنی ذات سے ایک شریف سویلین ہیں، معلوم ہوتا تھا کہ حالات کی نوعیت سے وہ متاثر ہیں اور ایک طرح کی شرمندگی محسوس کر رہے ہیں۔ اگرچہ یہ بات بالکل واضح تھی، مگر وہ پھر بھی بار بار کہتے مجھے اس معاملہ سے کوئی تعلق نہیں، میں صرف احکام کی تعمیل کر رہا ہوں۔ ہم لوگوں کو جیل میں کبھی آپ جیسے لوگوں سے سابقہ نہیں پڑا۔ میں پریشان ہوں کہ کیا کروں۔ آپ کو مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہونی چاہیئے۔"

جواب میں اُن سے کہا گیا کہ درخواست، خواہش، شکایت۔ ان جذبات سے ہمارے دل بالکل خالی ہو چکے ہیں۔

سپرنٹنڈنٹ نے یہ بھی کہا کہ میں صرف یہی ایک صورت اپنے اطمینان کی دیکھتا ہوں کہ آپ کو اپنی جگہ دے دوں اور خود آپ کے ان کمروں میں چلا آؤں۔ مسٹر سی۔ آر داس نے کہا۔ لیکن اگر میں سپرنٹنڈنٹ بنا دیا گیا تو فوراً استعفیٰ دیدونگا۔

معلوم ہوا کہ اس کے متعلق حکام جیل بلا چیف سکریٹری گورنمنٹ

بنگال کے استصواب کے خود کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ حکم آچکا ہے کہ ان لوگوں کو کسی شخص سے ملنے نہ دیا جائے۔ حتیٰ کے عزیز و اقارب سے بھی اخبارات کے دینے کی بھی قطعی ممانعت ہے۔ یوریپین وارڈ کو انگلشمین دیا جاتا ہے۔ لیکن ان کے لیے وہ بھی ممنوع قرار پایا۔ کیوں کہ باہر کی خبریں اس میں بھی درج ہوتی ہیں۔ صرف بستر اور کھانا لے لیا گیا۔ اور سپرنٹنڈنٹ نے تھوڑی ہی دیر کے لئے اپنے آفس سے دو کرسیاں بھیج دیں۔

لا اینڈ آرڈر

لا اینڈ آرڈر کی جیسی پابندی آج کل کی جا رہی۔ وہ جگہ دیکھی جاسکتی ہے۔

ان کے معاملے میں بھی ابتدا سے ان کی نمائش شروع ہوگئی۔ گرفتاری جمعہ کے دن سہ پہر کو ہوئی۔

اس دن کورٹ بند تھا۔ وارنٹ لیا جاسکتا تھا۔ لیکن کوئی وارنٹ حاصل نہیں کیا گیا۔ گرفتاری کے بعد حسب قاعدہ مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنا چاہیئے۔ اور جب تک پیش نہ ہوں پولیس کے چارج میں رہنا چاہیئے نہ کہ جیل میں بھیجدیا گیا۔ جیل میں ظاہر کیا گیا کہ آپ لوگ اس وقت تک جیل میں نہیں ہیں پولیس کے چارج میں ہیں۔

بہر حال مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنا ناگزیر تھا۔ پیش کرنے کے

لئے کورٹ میں لے جانا پڑتا اور اس میں پبلک کے مظاہرے کا خطرہ تھا۔ مجبوراً یہ تدبیر اختیار کی گئی کہ چوتھے دن مسٹر کڈ ڈپٹی کمشنر پولس کو بھیجا گیا اور کہا گیا کہ اس کی موجودگی مجسٹریٹ کی قائم مقامی کا حکم رکھتی ہے۔ خیال یہ تھا کہ نوان کو اپریشن کی وجہ سے کسی طرح کا قانونی اعتراض تو کیا نہیں جائے گا مجسٹریٹ کے سامنے پیش کرنے اور مقدمہ کی تاریخ مقرر کرنے کی مشکل سے نجات مل جائے گی۔

لیکن مسٹر داس نے مذاق کرتے ہوئے کہدیا کہ شاید میرے پریکٹس چھوڑنے کے بعد سے قانون بدل گیا ہے۔ اس سے ایک گونا پریشانی ہوئی ہے اور خوف پیدا ہوا کہ کہیں کارروائی بالکل بے ضابطہ مشہور نہ ہو جائے۔ اس لئے مجبوراً آٹھ بجے مسٹر اے زیڈ خاں فورتھ پریسیڈنسی مجسٹریٹ کو ایک پیشکار کے ساتھ جیل بھیج دیا گیا۔ اور زیر دفعہ ۲۰۱ کرمنل لا امنڈمنٹ ایکٹ وارنٹ بھی تیار کر لئے گئے۔

پہلی پیشی ۱۳ر دسمبر

یہ گویا پہلی پیشی تھی، ملزموں کی عدالت کے سامنے نہ جانا پڑا خود عدالت ملزموں کے دروازے پر آگئی۔ ان کے کمروں کے سامنے جو برآمدہ ہے اسی میں وارڈ (محافظ وارڈ) کا ٹوٹا ہوا میز بچھایا گیا۔ اسی کی ٹوٹی ہوئی کرسی مجسٹریٹ کے لئے رکھی گئی۔ سامنے ملزموں کے لئے اسٹول تھے، اس

سازو سامان کے ساتھ عدالت کا اجلاس شروع ہوا لیکن کارروائی نہایت ہی مختصر تھی اور مجسٹریٹ صاحب کی مضطربانہ عجلت اور زیادہ اختصار کا باعث ہوئی۔ انہوں نے کہا دفعہ ۱۷ کے ماتحت آپ لوگ گرفتار کئے گئے ہیں۔ مقدمہ کی تاریخ ۲۳ر دسمبر قرار دی جاتی ہے یہ کہہ کر جلدی سے انہوں نے وارنٹ پر مہر لگانے کے لئے کہا اور اُٹھنے لگے لیکن بیچارہ پیشکار زیادہ ہوشمند ثابت ہوا، اس نے کہا کہ ضمانت کے لئے حسب قاعدہ پوچھ لیجئے، مجسٹریٹ صاحب کو بھی یاد آگیا کہ واقعی ملزموں کو ضمانت دینے کا بھی حق ہوا کرتا ہے۔ لیکن انہوں نے کہا کہ یہ حضرات ضمانت نہیں دیں گے اس لئے میں نے پوچھنا ضروری نہ سمجھا۔

آخر میں مسٹر جان نے معذرت کے لہجہ میں کہا کہ وہ اس بارے میں کچھ نہیں جانتے۔ ان سے یہاں آنے کے لئے کہا گیا وہ چلے آئے۔

۲۳ر تاریخ کے تعین میں مصلحت تھی کہ ۲۴ر سے کرسمس کی تعطیل تھی۔ ۲۳ر کو جب مقدمہ ملتوی کر دیا جائے گا تو تعین کی وجہ سے ایک ہفتہ خود بخود مہلت نکل آئے گی۔

دوسری پیشی ۲۳ر دسمبر

۲۳ر دسمبر کو چار بجے مسٹر اے زیڈ خاں بھیجے گئے۔ لیکن اس مرتبہ سپرنٹنڈنٹ کے آفس میں عدالت کا اجلاس ہوا۔ میز کے سامنے ملزموں

کے لئے بھی کرسیاں رکھدی گئی تھیں۔ لیکن کارروائی کے اختصار کی وجہ سے بیٹھنے کی ضرورت ہی نہیں ہوئی کارروائی صرف اس قدر ہوئی کہ مقدمہ ۵ رجنوری پر ملتوی کر دیا گیا۔ مجسٹریٹ نے اپنی لاعلمی اور بے تعلقی کا اظہار بار بار کیا۔

۵ رجنوری

۵ رجنوری کو پیشی کی کارروائی یہ ہے کہ کوئی کارروائی نہ ہوئی، دس بجے مسٹر سی آر داس کو پریسیڈنسی کورٹ جانے کے لئے طلب کیا گیا۔ لیکن مولانا کی طلبی نہیں ہوئی۔

بعد کو معلوم ہوا کہ گو ابتدا میں مسٹر داس اور ان کی پیشی کے لئے ایک ہی تاریخ قرار دی گئی تھی الیکن پھر کسی مصلحت سے مولانا کا مقدمہ ایک دن پیچھے ڈال دیا گیا۔ عدالت کے قوانین کی رو سے ضروری تھا کہ یہ التوا بھی عدالت کے حکم و تصدیق سے ہوتا یعنی مجسٹریٹ کے سامنے پیش کیا جاتا، اور پھر کارروائی دوسرے دن کے لئے ملتوی کر دی جاتی۔ لیکن موجودہ عہد قانون و نظم (لا اینڈ آرڈر) میں ان پابندیوں کے درد سر سے بھی عدالتوں کو نجات مل گئی ہے نہ ان کو ایڈمنسٹریشن کرنے کی پروا ہے، نہ بجنا چاہیں گے، پھر قواعد و ضوابط کی پابندی سے حاصل کیا؟

۶ رکی کارروائی سے معلوم ہو گا کہ گورنمنٹ نے دفعہ ۱۷۔۲ کریمنل لا امنڈمنٹ

واپس لے لیا اور کارروائی از سر نو دفعہ ۱۲۴ الف پینل کوڈ کے ماتحت شروع ہوئی۔ گرفتاری کے بعد جو وارنٹ حاصل کیا گیا تھا، وہ دفعہ ۱۰۷، ۲ کا تھا اس لئے ۱۲۴ کا مقدمہ شروع نہیں ہو سکتا تھا۔ جب تا از سر نو ۱۲۴ کے ماتحت وارنٹ شروع نہ کیا جائے اور اس کی گرفتاری کا نفاذ نہ ہو۔ لیکن پچھلے لطیفے سے بھی بڑھ کر لطیفہ یہ ہے کہ ۱۲۴۔ الف کے ماتحت کوئی ضابطہ کی کارروائی عمل میں نہیں آئی نہ تو اس کا وارنٹ شروع کیا گیا، نہ ضابطہ کی گرفتاری پر پہنچ چکا تھا۔ جس میں ہر قوم کے اشخاص تھے۔

حلفیہ بیان میں کہا گیا کہ اس نے پریسیڈنسی جیل میں وارنٹ شروع کیا۔ مولانا اپنے بیان میں لکھتے ہیں۔" یہ معاملہ بے قاعدگی اور کذب بیانی دونوں کا انتہائی نمونہ ہے، ۱۳ تاریخ تو مجھے اس کا بھی علم نہ کہ ۱۲۴ کے ماتحت دعویٰ کیا جائے گا، وارنٹ کے نفاذ سے کیا تعلق ہے نہ تو جیل میں کوئی شخص اس غرض سے آیا نہ مجھ پہ وارنٹ شروع کیا۔"

پس گویا ۵ جنوری سے مولانا از روئے قانون بالکل آزاد تھے۔ ان کی گرفتاری شام کے بعد کوئی وجود نہیں رکھتی تھی۔ اگر وہ جیل کے افسروں پر ہرجانے کی نالش کر دیں کہ کیوں انہیں ۵ کے بعد جیل میں مقید رکھا گیا، تو وہ کیا جواب دیں گے۔ البتہ یہ سب کچھ اسی صورت میں ہے جب کہ از روئے قانون کوئی معنی ہوں۔ لیکن دراصل اس کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

غرض کہ بجائے ۵ کے ۱۳ جنوری کو ساڑھے گیارہ بجے مولانا پریسیڈنسی

کورٹ میں لائے گئے اور اسی پیشی سے کارروائی شروع ہوئی۔ مولانا جیل کے بند موٹر لاری میں لائے گئے تھے۔ مسلح فوجی پولیس کا کپتان محافظ تھا۔

تیسری پیشی

۶ر جنوری کی کارروائی

۶ر تاریخ کے ساڑھے بارہ بجے مولانا کا مقدمہ مسٹر سونبہو چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی عدالت میں پیش ہوا۔

کارروائی شروع ہونے سے پیشتر ہی عدالت کا کمرہ مشتاقانِ زیارت سے پڑ ہو چکا تھا۔ جس میں ہر قوم کے اشخاص مسلمان، ہندو اور مارواڑی وغیرہ موجود تھے۔

احاطۂ عدالت اور سڑک پر بھی ایک جمِ غفیر موجود تھا، اور لوگ جوق درجوق چلے آرہے تھے۔

جس وقت مولانا کٹہرے میں لائے گئے تو تمام حاضرین معہ وکلاء تعظیم کے لئے سروقد کھڑے ہو گئے۔

مولانا نے سب کے سلام کا جواب نہایت ہی خندہ پیشانی سے دیا۔ اس کے بعد مولانا کٹہرے میں اس انداز سے کھڑے ہوئے کہ آپ کا

ایک ہاتھ کٹہرے پر تھا اور ہتھیلی پر سر تھا چہرے پر ایک خفیف سی مسکراہٹ تھی اور نہایت بے پروائی کے ساتھ ارد گرد کا تماشہ دیکھ رہے تھے۔

کارروائی شروع کرتے ہوئے رائے بہادر تارک ناتھ ساد ھو سرکاری وکیل نے بیان کیا۔

"مولانا ابوالکلام آزاد کے خلاف دو مقدمات ہیں۔ ایک دفعہ ۱۷، ۲ ترمیم ضابطہ فوجداری کے ماتحت اور دوسرا زیر دفعہ ۱۲۴ الف تعزیرات ہند (بغاوت) چونکہ مؤخر الذکر جرم نہایت ہی سنگین ہے لہذا میں ان کے خلاف قانون ترمیم شدہ ضابطہ فوجداری کے تحت کوئی کارروائی کرنا نہیں چاہتا اور اپنے اس دعوے کو واپس لیتا ہوں، مولانا اس دفعہ کے ماتحت آزاد ہیں۔

مجسٹریٹ: (مولانا کو مخاطب کر کے) "آپ رہا کر دیئے گئے۔"

مولانا: "میں کچھ نہیں سمجھتا اور مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔"

لیکن مجسٹریٹ نے ایک اردو مترجم کو بلوایا، بابو جی، سی چٹرجی کے سپرد یہ خدمت ہوئی۔ سرکاری وکیل نے اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے کہا۔

ملزم کے خلاف موجودہ مقدمہ زیر دفعہ ۱۲۴ تعزیرات ہند ہے یہ تقریروں کی بنا پر ہے جو انہوں نے پہلی اور ۵ جولائی ۱۹۲۱ء کو مرزا پور پارک کلکتہ میں کی تھی، پہلے جلسہ کا مقصد تین اشخاص، حکیم سعید الرحمن۔ جگدمبا پرشاد اور راجو دھیا پرشاد کی گرفتاری کے خلاف صدائے احتجاج بلند

کرنا تھا۔ اس کے بعد ۱۵ جولائی کو ملزم نے اس جگہ ایک تقریر کی، اس میں مذکورہ بالا اشخاص کی سزایابی پر صدائے احتجاج بلند کرتے ہوئے موجودہ وقت میں خلافت کے متعلق لوگوں کو فرض بتایا۔ یہ تقریریں اردو شارٹ ہینڈ میں کی گئی تھیں ـــــ اس کے بعد انہیں معاف کر کے انگریزی میں ترجمہ کرایا گیا۔ یہ ترجمہ ابھی آپ کے سامنے کیا جائے گا میں نے خود تقریریں پڑھی ہیں۔ اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ یہ تقریریں دفعہ ۱۲۴ کے تحت آتی ہیں، لیکن خیر یہ تو میری رائے ہے۔

میں ان تقریروں کا انگریزی ترجمہ پڑھتا ہوں۔ فیصلہ یور آنر پر منحصر ہے۔ کہ اس دفعہ کے ماتحت آتی ہیں یا نہیں؟ مزید براں میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں۔ کہ گورنمنٹ نے زیر دفعہ ۱۹۶ (تعزیرات ہند) اس مقدمہ کے لئے میں سب سے پہلے مسٹر گولڈی کو پیش کرتا ہوں۔

مسٹر گولڈی

اس کے بعد مسٹر گولڈی ڈپٹی مجسٹریٹ اسپیشل برانچ شہادت کے لیے بلائے گئے۔ سرکاری وکیل نے دریافت کیا ملزم کو گرفتار کرنے کے لئے تمہیں گورنمنٹ آف بنگال سے کوئی اختیار دیا گیا تھا۔

جواب:۔ ہاں۔

سوال:۔ کیا ان ہی تقریروں کے لئے؟ یہ کن تاریخوں میں کی گئی تھیں؟

جواب: ہاں! یکم اور ۱۵ جولائی ۱۹۲۱ء کو۔

سوال: کیا یہی سنکشن تمہیں ملا تھا۔

جواب: "ہاں"

سوال: کیا اس کے ذریعہ سے مولانا ابوالکلام آزاد کو گرفتار کرنے کے لئے حکم دیا گیا تھا۔

جواب: ہاں۔

سوال: کیا اس گورنمنٹ آف بنگال کے چیف سکریٹری کا دستخط ثبت ہے؟

جواب: "ہاں! میں ان کی دستخط کو پہچانتا ہوں"

سوال: سنکشن کس تاریخ کو دیا گیا تھا؟

جواب: ۲۲ دسمبر ۱۹۲۱ء کو"

سوال: سنکشن ملنے کے بعد تم نے چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی خدمت میں کوئی درخواست کی تھی؟

جواب: "ہاں"

سوال: تو پھر کیا تمہیں کوئی وارنٹ ملا تھا؟

جواب: "ہاں میں نے پریسیڈنسی جیل میں شروع کیا"

سوال: عام طور پر جب تمہیں کسی جلسہ کی اطلاع ملتی ہے تو کیا تم کوئی رپورٹر وہاں بھیجتے ہو!"

جواب: "ہاں"

سوال: کیا یہی وہ رپورٹ اور اس کی نقل ہے جو تمہیں دکھائی گئی تھی؟

جواب: "ہاں"

ابواللیث محمدؒ

اس کے بعد سرکاری شارٹ ہینڈ رپورٹر ابواللیث محمد پیش ہوا۔ اس نے بیان کیا۔ میں گورنمنٹ آف بنگال کا شارٹ ہینڈ رپورٹر ہوں۔"

یہاں مجسٹریٹ نے مولانا کو مخاطب کر کے کہا: کیا آپ چاہتے ہیں کہ آپ کے لئے گواہی کا ترجمہ کرایا جائے۔

جواب میں مولانا نے فرمایا مجھے کسی ترجمہ کی ضرورت نہیں، ہاں اگر ضرورت ہو تو خود ایسا کر سکتے ہیں۔"

مجسٹریٹ: "تو کیا آپ انگریزی سمجھتے ہیں"

مولانا: "نہیں"

مجسٹریٹ: مترجم سے بہتر ہے کہ تم ترجمہ کرتے جاؤ۔"

گواہ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"میں کلکتہ یونیورسٹی کا تعلیم یافتہ ہوں۔ تقریباً ۱۸ مہینہ تک لکھنو کرسچین کالج میں رہ چکا ہوں۔ میں نے اردو مختصر نویسی میں ایک ایک اٹر سرٹیفکیٹ اور سند حاصل کی۔"

۱۶۰ حرف فی منٹ میری رفتار ہے۔ میں اردو سمجھتا ہوں اور مختصر نویسی میں نے لکھنؤ میں سیکھی ہے۔"

یکم جولائی مجھے یاد ہے، اس روز میں مرزا پور پارک کے ایک جلسہ میں مقرر ہوا تھا۔ اُردو میں وہاں جو تقریریں ہوئیں۔ ان کے میں نے نوٹ لئے تھے۔ ملزم نے وہاں اُردو میں تقریر کی تھی اور وہی اس جلسے کے صدر تھے۔

حتی الامکان میں نے بہتر نوٹ لئے ہیں اور حسب معمول مسٹر گولڈی کمشنر کے پاس بھیج دیا۔ مسٹر گولڈی نے اس پر ۲۵ر تاریخ کو دستخط کیا۔ اس کے بعد میں نے اسی تقریر کی نقل اردو لانگ ہینڈ میں لی اور مسٹر گولڈی کے سامنے پیش کیا۔ اس پر مسٹر گولڈی کا ۱۴ر دسمبر ۱۹۲۱ء کا دستخط موجود ہے۔

بابو باما چرن چیٹرجی

اس کے بعد باما چرن چیٹرجی سرکاری مترجم پیش ہوا، اس نے بیان کیا وہ اردو اور ہندی کا مترجم ہے اور الہ آباد یونیورسٹی کا تعلیم یافتہ ہے۔"

سرکاری وکیل پہلی جولائی کی اردو تقریر کو ذرا دیکھو؟

گواہ ــــ میں نے بھی اس کا ترجمہ کیا تھا۔ اس پر میرا دستخط موجود ہے میں نے حتی الامکان اس کا بہتر ترجمہ کیا۔

سرکاری وکیل: "دوسری تقریر کو دیکھو جو ۱۵ر جولائی کی ہے۔"

گواہ: "میں نے اس کا بھی صحیح ترجمہ کیا ہے۔"

انسپکٹر محمد اسماعیل

اس کے بعد محمد اسماعیل انسپکٹر اسپیشل برانچ بلوایا گیا، اس نے بیان کیا۔ میں مرزاپور پارک میں متعین کیا گیا تھا۔ وہاں میں نے ملزم کو دیکھا انہوں نے وہاں ایک تقریر کی تھی میں نے اردو لانگ ہینڈ میں پہلی جولائی کی تقریر کا نوٹ لیا تھا۔

ملزم اس جلسہ کے صدر تھے اور اسی حیثیت سے تقریر کی تھی۔

سرکاری وکیل: جلسہ کس غرض سے ہوا تھا۔

گواہ: مبلغین خلافت "حکیم سعید الرحمٰن، جگدمبا پرشاد اور اجودھیا پرشاد کی گرفتاری کے متعلق۔"

جلسہ میں تقریباً ۱۲ ہزار آدمیوں کا مجمع تھا، ہر قسم کے لوگ جلسہ میں موجود تھے۔ لیکن ۵۰ فیصدی مسلمان تھے۔ میں نے صحیح نوٹ لئے تھے۔ انسپکٹر کے "الیس گھوسال اور دوسرے افسر میرے ہمراہ تھے اور یہ (مولانا ابوالکلام آزاد) صدر جلسہ کی اردو تقریر کا نوٹ ہے، اس کے بعد بابو بیجکوری برجی نے تقریر کی تھی۔ بابو بیجکوری برجی کی تقریر صدر جلسہ کی تقریر کے ساتھ شامل ہے۔"

۱۵ جولائی کو بھی مرزاپور پارک میں متعین کیا گیا تھا، میں نے وہاں کی تقریروں کے نوٹ لئے تھے۔ انسپکٹر مکرجی اور مسٹر کر بھی میرے ہمراہ تھے۔

مولوی نجم الدین اور ملزم نے اس جلسہ میں تقریر کی تھی۔ میں نے ان تقریروں کا نوٹ لانگ ہینڈ میں لیا۔ میں نے تقریر کے صرف انہی حصوں کا صحیح نوٹ لیا، جنہیں میں نے ضروری سمجھا تھا۔"

میں کلکتہ یونیورسٹی کا تعلیم یافتہ اور بی، ایس، سی ہوں، میں اُردو سمجھتا ہوں۔ تقریباً ۱۰ اور ۱۲ ہزار کے درمیان جلسہ میں لوگوں کا مجمع تھا۔

یہاں سرکاری وکیل نے گواہ سے کہا "نوٹ دیکھ کر ذرا اپنے حافظ کو درست کرو" گواہ نے نوٹ دیکھ کر بتایا "۱۰ ہزار کا مجمع تھا اور ہم نے ایک مشترکہ نوٹ داخل کیا تھا۔"

پولیس انسپکٹر کے۔ ایس گھرسال

اس کے بعد کے۔ ایس گھرسال انسپکٹر اسپیشل برانچ کی شہادت لی گئی۔ اس نے بیان کیا۔

میں کلکتہ یونیورسٹی کا گریجویٹ ہوں، یکم جولائی ۱۹۲۱ء کو مرزاپور کے اسکوائر جلسہ میں گیا تھا۔ ملزم اس جلسہ کے صدر تھے۔ میں نے تقریروں کے نوٹ لانگ ہینڈ میں لئے تھے۔ میں تقریر کے صرف انہی حصوں کا نوٹ لیا کرتا ہوں جنہیں میں ضروری سمجھتا ہوں، میں نے ان کے صحیح نوٹ لئے تھے (نوٹ پیش کرتے ہوئے) یہ پہلی جولائی کی متفقہ رپورٹ ہے اس میں صدر (ملزم) کی تقریر بھی شامل ہے۔ یہ نوٹ مسٹر گولڈی کی خدمت میں پیش کر دیئے

گئے تھے اجن پر انہوں نے اپنے دستخط کر دیئے تھے۔

سرکاری وکیل: جلسہ کس غرض سے ہوا تھا؟

جواب: "سعید الرحمٰن، جگد مبا پرشاد اور اجودھیا پرشاد کی گرفتاری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے کی غرض سے تقریباً ۱۲ ہزار آدمیوں کا مجمع تھا۔ ہر قسم کے لوگ اس میں شریک تھے۔ لیکن نصف کے قریب ہندوستانی مسلمان تھے۔ بقیہ نصف ہندوستانی ہندو اور بنگالی تھے۔"

انسپکٹر بی۔ بی مکرجی

اس کے بعد بی۔ بی مکرجی انسپکٹر سی، آئی۔ ڈی پیش ہوا۔ اس نے بیان کیا۔

مرزاپور پارک کے ایک جلسہ میں نوٹ لینے کے لئے میں مقرر ہوا تھا۔ میں نے نوٹ لئے تھے اور ۱۵، جولائی ۱۹۲۱ء کو ڈپٹی کمشنر کی خدمت میں پیش کر دیا۔

ملزم نے جو اس جلسہ کے صدر تھے انہوں نے وہاں ایک تقریر کی تھی میں نے اس کے صحیح نوٹ لئے تھے، یہ نوٹ اسی روز شام کو مسٹر گولڈی کے سامنے پیش کر دیئے گئے۔ اس پر ان کا دستخط موجود ہے، محمد اسمٰعیل اور میں دونوں نے ایک مشترکہ نوٹ داخل کیا تھا، ملزم نے اردو میں تقریر کی تھی۔ میں کچھ کچھ اس زبان کو سمجھتا ہوں۔"

یہ جلسہ تین مبلغین خلافت: حکیم سعید الرحمٰن، جگدمبا پرشاد اور ایودھیا پرشاد کی گرفتاری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنے اور لوگوں کو جیل جانے کی ترغیب دینے اور شوق دلانے کی غرض سے ہوا تھا۔

تقریباً ۱۰ ہزار کا مجمع تھا، مسلمان ہندو اور ہوڑا اور للوا کے ملوں کے بہت سے مزدور اس میں شریک تھے، تقریباً ۵۰ والنٹیر بیج لگائے ہوئے تھے جس پر لکھا تھا "جیل جانے کے لئے تیار ہیں"

مسٹر گولڈی دوبارہ

مسٹر گولڈی پھر بلوائے گئے، انہوں نے رپورٹ اور نوٹ پر جو وہاں پیش کیے گئے تھے اپنے دستخط ہونے کی تصدیق کی۔

اس کے بعد سرکاری وکیل نے پہلی جولائی کی تقریر کا انگریزی ترجمہ پڑھ کر سنایا اور کہا کہ ۱۵ جولائی کو بھی اسی قسم کی تقریر ہوئی تھی۔

پھر اُس نے چارج مجسٹریٹ کے حوالہ کر دیا۔ اس کے بعد لنچ کے لئے کارروائی ملتوی کی گئی۔

لنچ کے بعد کی کارروائی

۲ بج کر ۲۰ منٹ پر مجسٹریٹ عدالت میں داخل ہوا۔ مولانا کو بلوایا گیا۔

جس وقت مولانا صحن سے ہو کر عدالت کے کمرے میں لائے جا رہے تھے تو باہر کے عظیم الشان مجمع نے جو سڑک پر کھڑا تھا مولانا کی ایک ذراسی جھلک دیکھ پائی اور اللہ اکبر کی گونج سے در و دیوار ہلنے لگے۔

جب مولانا کمرے میں داخل ہوئے تو تمام حاضرین سر و قد کھڑے ہوئے اور قصداً ان کی زبان سے بھی اللہ اکبر کا نعرہ نکل گیا، اگرچہ مولانا ہاتھ کے اشارے سے روکتے رہے، مجسٹریٹ نے گھبرا کر فوراً سرجنٹ کو کمرہ خالی کرا دینے کا حکم دیا۔ جس پر فوراً عمل کیا گیا۔ صرف چند آدمی جو کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے اندر رہ گئے۔

شارٹ ہینڈ رپورٹر نے ان دونوں تقریروں کو جن کی بنا پر دعویٰ کیا گیا تھا پڑھ کر سنایا۔

اس کے بعد ۱۲۴ الف کے ماتحت فردِ جرم قرار داد جرم لگا دی گئی۔

مجسٹریٹ: مولانا سے "کیا آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں؟"

مولانا: "نہیں"

مجسٹریٹ: "کیا آپ کوئی گواہ پیش کرنا چاہتے ہیں؟"

مولانا: "نہیں اگر میں نے ضرورت دیکھی تو آخر میں اپنا تحریری بیان پیش کر دوں گا۔"

مجسٹریٹ: "کیا آپ کو کاغذ کی ضرورت ہے؟"

مولانا: "میں اپنی تقریروں کی نقل چاہتا ہوں (جو انہیں دیدی گئی)

سرکاری وکیل نے مجسٹریٹ سے درخواست کی کہ عرضی دعویٰ کی بھی

ایک نقل ملزم کو دیدی جائے۔"

اس کے بعد مقدمہ ۱۱ جنوری تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ مقدمہ کے تمام دوران میں عدالت کے احاطہ اور سڑک پر عظیم الشان مظاہرہ جاری تھا، قومی نعروں کی آوازیں برابر بلند ہو رہی تھیں۔ جوں ہی مولانا جیل کی گاڑی میں سوار ہونے لگے، ابوالکلام آزاد کی جے، بندے ماترم، مہاتما گاندھی کی جے ہندو مسلمان کی جے اور اللہ اکبر کے پر شکوہ نعروں سے تمام فضا گونج اٹھی۔

لوگوں کی اس قدر کثرت تھی کہ کچھ عرصہ تک گاڑی کی آمد و رفت بھی رُک گئی تھی۔

نقل استغاثہ

بعدالت چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کلکتہ برائے گرفتاری زیر دفعہ ۱۲۴ الف تعزیرات ہند جے۔ اے۔ ایم۔ گولڈی ڈپٹی کمشنر آف پولس اسپیشل برانچ کلکتہ، مدعی مولانا ابوالکلام آزاد۔ مدعا علیہ۔

مذکورہ بالا مدعی کا بیان حسب ذیل ہے۔

(۱) یکم جولائی ۱۹۲۱ء کو مدعا علیہ نے مرزاپور پارک میں نوان کوآپریشن اور بائیکاٹ کے مضمون پر اردو میں ایک تقریر کی تھی۔

ایک اردو نویس نے ان کی پوری تقریر کے نوٹ اردو میں لئے، مذکورہ

بالا نوٹ کی نقل کی، ایک اردو کاپی جس پر انگریزی حرف اے کا نشان بنا ہے منسلک درخواست ہذا ہے، مذکورہ بالا شارٹ ہینڈ نوٹ کا انگریزی ترجمہ بھی شامل ہے جسے گورنمنٹ آف بنگال کے ایک بنگالی مترجم نے کیا ہے۔ اس پر انگریزی "بی" کا نشان ہے۔

(۲) پھر ۱۵ ار جولائی ۱۹۲۱ء کو ملزم مذکور نے اردو میں ایک دوسری تقریر اسی جگہ اور اسی مضمون پر کی اور ایک اردو رپوٹر نے ان کی پوری تقریر کا اردو شارٹ ہینڈ میں نوٹ لیا۔ اس نوٹ کی ایک نقل جس پر حرف "سی" کا نشان ہے منسلک ہے اور دوسرا کاغذ جس پر حرف "ڈی" کا نشان ہے مذکورہ بالا شارٹ ہینڈ نوٹ کا انگریزی ترجمہ ہے جسے گورنمنٹ بنگال کے ایک بنگالی مترجم نے کیا ہے۔

(۳) دونوں موقعوں پر اسپیشل برانچ کے تین اور افسروں نے بھی لانگ ہینڈ میں نوٹ لئے تھے اور وہ اس شارٹ ہینڈ رپورٹ کی تصدیق کرتے ہیں۔

(۴) تقریروں کے دیکھنے سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ مقرر نے اپنی تقریروں سے گورنمنٹ قائم شدہ بروئے قانون کے خلاف لوگوں میں حقارت و نفرت پھیلانے کی کوشش کی اور اس طرح ایک ایسے جرم کا ارتکاب کیا جس کی وجہ سے ۱۲۴ الف تعزیرات ہند کے ماتحت سزا کا مستوجب قرار پا سکتا ہے۔

(۵) گورنر ان کونسل نے مدعی کو یہ حکم اور اختیار دیا کہ وہ مولانا ابوالکلام

آزاد کو مذکورہ بالا جرم کی بنا پر دفعہ ۱۲۴ الف تعزیرات ہند گرفتار کرے اور ان کے خلاف چارہ جوئی کرے اسنکیشن کی اصل کاپی منسلک ہے اور اسی پر حرف "اے" کا نشان ہے لہذا مدعی یہ درخواست کر سکتا ہے کہ ملزم کے خلاف حکم نامہ جاری کیا جائے کہ مذکورہ بالا الزامات کی جواب دہی کرے اور اس کے حاضر ہونے پر مقدمہ چلایا جائے۔ نیز قانون کے مطابق کارروائی عمل میں لائی جائے۔

چوتھی پیشی

۱۱؍ جنوری

۱۱؍ تاریخ کو مسٹر سوئنہو چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کی عدالت میں چوتھی پیشی ہوئی۔ حسب معمول کمرہ اور احاطۂ عدالت لوگوں سے پُر تھا۔ لیکن قبل اس کے کہ کارروائی شروع ہو سارجنٹ نے کمرہ لوگوں سے خالی کرا لیا۔ حتیٰ کے ان لوگوں کو بھی رہنے نہ دیا جو کرسیوں پر بیٹھے ہوئے تھے۔

اس کے بعد مولانا لائے گئے، جونہی انہوں نے کٹہرے میں قدم رکھا تمام وکلا جو وہاں موجود تھے تعظیم کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

مجسٹریٹ نے مولانا سے دریافت کیا۔

"کیا آپ کوئی بیان دینا چاہتے ہیں؟"

مولانا: "ہاں"

"اگر عدالت کو کوئی اعتراض نہ ہو تو میں ایک تحریری بیان پیش کروں گا۔"

مجسٹریٹ: کیا وہ آپ کے ساتھ ہے؟

مولانا: "ہاں یہ اُردو میں ہے، لیکن میں چاہتا ہوں، اس کا انگریزی ترجمہ عدالت میں داخل کروں۔"

مجسٹریٹ: تو کیا آپ خود اس کا ترجمہ کرالیں گے۔

مولانا: "ہاں اگر عدالت کو کوئی اعتراض نہ ہو۔"

مجسٹریٹ: کیا آپ کو کسی اور چیز کی ضرورت ہے؟

مولانا: "اگر کوئی حرج نہ ہو تو میں اپنی اس تقریر کا جسے لغویانہ بتایا گیا ہے انگریزی ترجمہ دیکھنا چاہتا ہوں۔"

مجسٹریٹ: کیا بیان کے لئے اس کی ضرورت ہے؟

مولانا: "میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

مجسٹریٹ نے عدالت سے دریافت کیا کہ انگریزی ترجمہ ملزم کو پہلے ہی کیوں نہ دیا گیا؟ اب انہیں فوراً دیدیا جائے، سرکاری وکیل نے ایک پولیس افسر سے کہا۔ اس نے بیان کیا کہ اس وقت وہ وہاں موجود نہیں ہی جیل میں بھیج دیا جائیگا۔

اس کے بعد مقدمہ ۱۷ جنوری ۱۹۶۴ء تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا۔ سابق کی طرح آج بھی ایک بہت بڑا مجمع سڑک پر موجود تھا اور برابر قومی نعرے لگا رہا تھا۔

پانچویں پیشی

۱۷ جنوری

۱۷ جنوری کو مولانا کے مقدمہ کی سماعت پریسیڈنسی جیل میں ہوئی حسب معمول ہزاروں آدمی وقت مقررہ پر پریسیڈنسی کورٹ پہونچ گئے تھے۔ لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ مقدمہ کورٹ کی بجائے جیل میں ہوگا تو اپنے گھروں کو مایوس واپس لوٹ گئے۔ پھر بھی ایک معقول تعداد ہندو، مسلمانوں کی ٹیکسیوں پر سوار ہو کر جیل پہونچ لی۔ مگر وہاں انہیں احاطہ جیل کے اندر جانے کی اجازت نہ دی گئی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ مولانا کے اعزا اور اخبارات کے نمائندوں کو بھی اندر جانے کی اجازت نہیں ملے گی۔ عدالت کے اندر صرف مسٹر گولڈی ڈپٹی کمشنر اسپیشل برانچ اور چند سی، آئی ڈی پولیس افسر موجود تھے اور ۱۲ بجے مسٹر سوینہو چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ بمعیت رائے بہادر تارک ناتھ سادھو سرکاری وکیل آگئے۔

اخبارات کے نمائندوں نے اندر جانے کی پھر کوشش کی عدالت نے پیشکار سے کہا حکام جیل سے اس کی درخواست کرنی چاہیئے وہی اس کی اجازت دے سکتے ہیں۔ چنانچہ اس کی تعمیل میں جیلر سے کہا گیا اس نے کہا وہ کمرہ اب عدالت کو دیدیا گیا ہے۔ ان کا اس میں کوئی اختیار باقی نہیں چنانچہ مجسٹریٹ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ لیکن جواب ملا کہ سپرنٹنڈنٹ جیل سے

پاس درخواست دی جائے۔

سپرنٹنڈنٹ اس وقت موجود نہ تھا اس لئے ملاقات نہ ہو سکی لیکن بعد کو سپرنٹنڈنٹ نے مولانا سے کہا نہ تو اس کی طرف سے روک تھی اور نہ وہ روکنے کا مجاز تھا۔ اس کا اختیار تو صرف مجسٹریٹ کو ہے۔

ٹھیک پونے بارہ بجے جیلر کے ہمراہ مولانا نے کمرۂ عدالت کے اندر قدم رکھتے ہی دریافت کیا کہ یہ کارروائی پبلک ہے یا پرائیویٹ؟

مجسٹریٹ: پرائیویٹ؟

مجسٹریٹ: "آپ تشریف رکھیں"

"مولانا کیا یہ آپ نے مجھ سے کہا ہے؟ غالباً آپ کو یاد نہیں رہا کہ پہلے بھی میں دو مرتبہ آپ کے سامنے پیش ہو چکا ہوں"

"مجسٹریٹ: مجھے یاد ہے"

مولانا: گزشتہ موقعوں پر جب میں دو تین گھنٹے تک مسلسل کھڑا رہ سکا تو آج بھی کھڑے رہنے میں مجھے کوئی تکلیف نہیں ہو سکتی۔"

مجسٹریٹ: مجھے افسوس ہے کہ مجھے ان موقعوں پر یاد نہ رہا۔

مولانا: "آپ کے اس اعتراف کا شکریہ"

مجسٹریٹ: "کیا آپ اپنا بیان لائے ہیں"

مولانا نے اپنا اردو بیان پیش کر دیا۔ اور کہا کہ ان کے سکریٹری کی عدم موجودگی کی وجہ سے انگریزی ترجمہ مکمل نہ ہو سکا۔

مجسٹریٹ: تو کیا آپ ترجمہ کے لئے مہلت چاہتے ہیں۔

مولانا: "نہیں میں نہیں چاہتا کہ محض ترجمہ کے لئے مقدمہ میں تاخیر ہو؟"

مجسٹریٹ: "لیکن اگر اس کا انگریزی ترجمہ ہو جاتا تو عدالت کے لئے اس میں بڑی آسانی ہوتی۔"

اس کے بعد مقدمہ ۱۹ر تاریخ تک کے لئے ملتوی کر دیا گیا، لیکن بعد کو خود بخود ۱۹ر سے ۲۴ر تاریخ کر دی گئی۔

چھٹی پیشی

۲۴ر جنوری

۲۴ر جنوری کو مولانا کا مقدمہ سول جیل میں چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کے سامنے پیش ہوا، آج خلاف معمول پبلک کی ایک معقول تعداد کو اندر جانے کی اجازت مل گئی تھی۔

ایک بجے کے قریب مولانا تشریف لائے اور صرف یہ کارروائی ہوئی کہ مولانا کا بیان عدالت نے لے لیا۔ اور ۳۱ر جنوری آئندہ پیشی کے لئے قرار پائی۔

ساتویں پیشی

۳۱ر جنوری

مولانا کی طبیعت کئی دن سے سخت علیل تھی جگر کا فعل ناقص ہوجانے کی وجہ سے اسہال کی شکایت لاحق ہوگئی۔ ۳۱ر کو ایک مرتبہ استفراغ بھی ہوا، جیل کے ڈاکٹر نے کہا۔ ایسی حالت میں ان کا عدالت میں جانا نہایت مضر ہوگا۔

سپرنٹنڈنٹ تیار ہے کہ عدالت کو اطلاع دیکر پیشی ملتوی کرادی جائے لیکن مولانا نے پسند نہیں کیا کہ ان کی وجہ سے کارروائی میں کسی طرح کا التوایا تاخیر ہو۔ انہوں نے کہا جب کارروائی جیل ہی کے احاطے میں ہوتی ہے تو تھوڑی دیر کے لئے چند قدم چلا جانا کچھ دشوار نہ ہوگا جیل سے کوئی اطلاع عدالت کو نہ دی جائے۔

لیکن تھوڑی دیر کے بعد سپرنٹنڈنٹ جیل مسٹر سونیہو پریسی ڈنسی مجسٹریٹ کی چھٹی لیکر آئے جو ۳۰ کی لکھی ہوئی تھی اور اس میں لکھا تھا کہ مولانا کا مقدمہ ۹ر فروری پر ملتوی کر دیا گیا۔

۵ر جنوری کی کارروائی کے مقابلے میں یہ کارروائی غنیمت تھی کم از کم اطلاع تو دے دی گئی مگر سوال یہ ہے کہ کیا اس طرح کی چھٹی مجسٹریٹ کی موجودگی اور ملزم کی حاضری کے قائم مقام ہو سکتی ہے؟ اگر جواب

اثبات میں ہو تو یہ گویا قوانین مسلمہ عدالت میں ایک نئے قاعدے کا اضافہ ہو گا۔ ہم اسے ترمیم بھی کہہ سکتے ہیں۔ مگر جہاں تک معلوم ہے ۱۹۰۸ء میں صرف ضابطہ فوجداری ہی کی تمام ہوئی تھی۔ ضابطہ عدالت کی نہیں ہوئی تھی۔

اب ہم پہلے مولانا کا بیان درج کرتے ہیں۔ اس کے بعد آخری پیشی کی روئیداد اور عدالت کا فیصلہ نقل کریں گے۔

مولانا ابوالکلام آزاد کا تحریری بیان

اَلحمدُ لِلّٰہِ وَحدَہٗ

عارضی وقفہ

میرا ارادہ تھا کہ کوئی تقریری یا تحریری بیان یہاں پیش کروں، یہ ایک ایسی جگہ ہے جہاں ہمارے لئے نہ تو کسی طرح کی امید ہے، نہ طلب ہے، نہ شکایت ہے، یہ ایک موڑ ہے جس سے گزرے بغیر ہم منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتے اس لئے تھوڑی دیر کے لئے اپنی مرضی کے خلاف یہاں دم لینا پڑتا ہے۔ یہ نہ ہوتی تو ہم سیدھے جیل چلے جاتے۔

یہی وجہ ہے کہ گذشتہ دو سال کے اندر میں نے ہمیشہ اس کی مخالفت کی کہ "نان کو اپریٹو" کسی طرح کا بھی حصہ عدالت کی کارروائی میں لے۔ آل انڈیا کانگریس کمیٹی سنٹرل خلافت کمیٹی اور جمعیتہ علماء ہند نے اگرچہ اس کی اجازت دیدی کہ پبلک کی واقفیت کے لئے تحریری بیان دیا جا سکتا ہے۔ لیکن

ذاتی طور پر میں لوگوں کو مشورہ دیتا رہا کہ خاموشی کو ترجیح ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص اس لیئے بیان دیتا ہے کہ مجرم نہیں اگرچہ اس کا مقصد پبلک سے واقفیت ہو تاہم وہ اشتباہ سے محفوظ نہیں ہو سکتا ہے کہ اپنے بچاؤ کی ایک ہلکی سی خواہش اور سماعت حق کی ایک کمزور سی توقع اس سے اندر کام کر رہی ہو حالانکہ نان کوآپریشن کی راہ بالکل قطعی اور یکسر ہے وہ اس بارے میں اشتباہ بھی گوارہ نہیں کر سکتی۔

کامل مایوسی اس لئے کامل تبدیلی کا عزم

نان کوآپریشن موجودہ حالت سے کامل مایوسی کا نتیجہ ہے اور اسی مایوسی سے کامل تبدیلی کا عزم پیدا ہوا ہے۔ ایک شخص جب گورنمنٹ سے نان کوآپریشن کرتا ہے کہ وہ گورنمنٹ کے جواز سے منکر ہے اور اسی لئے تبدیلی کا خواہشمند ہے۔ پس جس چیز سے وہ اس درجہ مایوس ہو چکا کہ تبدیلی کے سوا کوئی چارہ نہیں دیکھتا اس سے کیونکر امید کر سکتا ہے کہ ایک مصنف اور قابل بقا طاقت کی طرح اس کے ساتھ انصاف کرے گی۔

اس اصولی حقیقت سے اگر قطع نظر کر لیا جائے جب بھی موجودہ حالت میں بریت کی امید رکھنا ایک بے سود زحمت سے زیادہ نہیں ہے، یہ گویا اپنی معلومات سے انکار ہوگا۔ گورنمنٹ کے سوا کوئی ذی حواس اس سے انکار نہیں کر سکتا کہ بحالت موجودہ سرکاری عدالتوں سے انصاف

کی کوئی امید نہیں ہے۔ اس لئے نہیں کہ وہ ایسے اشخاص سے مرکب ہیں جو انصاف کرنا پسند نہیں کرتے ایسے نظام (سسٹم) پر مبنی ہیں جن میں رہ کر مجسٹریٹ ان ملزموں کے ساتھ انصاف نہیں کر سکتا۔ جن کے ساتھ خود گورنمنٹ انصاف کرنا پسند نہ کرتی ہو۔ میں یہاں واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ تان کا خطاب صرف گورنمنٹ کے سسٹم اور موجودہ حکومتی اور قومی اصولوں سے ہے افراد و اشخاص سے نہیں ہے۔

عدالت گاہ نا انصافی کا قدیم ترین ذریعہ ہے

ہمارے اس دور کے تمام حالات کی طرح یہ حالت بھی نئی نہیں ہے تاریخ شاہد ہے کہ جب کبھی حکمراں طاقتوں نے آزادی اور حق کے مقابلے میں ہتھیار اٹھائے ہیں تو عدالت گاہوں نے سب سے زیادہ آسان اور بے خطا ہتھیار کا کام دیا ہے۔ عدالت کا اختیار ایک طاقت ہے اور وہ انصاف اور نا انصافی دونوں کے لئے استعمال کی جا سکتی ہے۔ منصف گورنمنٹ کے ہاتھ میں وہ عدل و حق کا سب سے بہتر ذریعہ ہے لیکن جابر اور مستبد حکومتوں کے لئے اس سے بڑھ کر انتقام و نا انصافی کا کوئی آلہ بھی نہیں۔

تاریخ عالم کی سب سے بڑی نا انصافیاں میدان جنگ کے بعد عدالت کے ایوانوں ہی میں ہوئی ہے۔ دنیا کے مقدس بانیان مذہب سے لے کر

سائنس کے متکشفین تک کوئی پاک اور حق پسند جماعت نہیں ہے۔ جو مجرموں کی عدالت کے سامنے کھڑی نہ کی گئی ہو۔ بلاشبہ زمانے کے انقلاب سے عہد قدیم کی بہت سی برائیاں مٹ گیئں۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اب دنیا میں دوسری صدی عیسوی کی خوفناک رومی عدالتوں اور ازسنہ متوسط ڈل ایجز کی پراسرار انکویزیشن وجود نہیں رکھتی لیکن میں یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ جو جذبات ان عدالتوں میں کام کرتے تھے ان سے بھی ہمارے زمانے کو نجات مل گئی ہے۔ وہ عمارتیں ضرور گرادی گیئں جن کے اندر خوفناک اسرار بند تھے لیکن ان دلوں کو کون بدل سکتا ہے جو انسانی خود غرضی اور ناانصافی کے خوفناک رازوں کا دفینہ ہیں۔

ایک عجیب مگر عظیم الشان جگہ

عدالت کی ناانصافیوں کی فہرست بڑی طولانی ہے۔ تاریخ آج تک اس کے ماتم سے فارغ نہ ہو سکی۔ ہم اس میں حضرت مسیح جیسے پاک انسان کو دیکھتے ہیں۔ جو اپنے عہد کی اجنبی عدالت کے سامنے چوروں کے ساتھ کھڑے کئے گئے ہم کو اس میں سقراط نظر آتا ہے جس کو صرف اس لئے زہر کا پیالہ پینا پڑا کہ وہ اپنے ملک کا سب سے زیادہ سچا انسان تھا۔ ہم کو اس میں فلورنس کے فدا کار حقیقت گلیلیو کی نام بھی ملتا ہے جو اپنی معلومات و مشاہدات کو اس لئے جھٹلا نہ سکا کہ وقت کی عدالت کے نزدیک ان کا

اظہار جرم تھا۔ میں نے حضرت مسیح کو انسان کہا کیوں کہ میرے اعتقاد میں وہ ایک مقدس انسان تھے جو نیکی اور محبت کا آسمانی پیام لے کر آئے تھے لیکن کروڑوں لوگوں کے اعتقاد میں تو وہ اس سے بھی بڑھ کر ہیں۔ تاہم مجرموں کا کٹہرا ایسی عجیب مگر عظیم الشان جگہ ہے۔ جہاں سب سے اچھے اور سب سے بڑے دونوں طرح کے آدمی کھڑے کیئے جاتے ہیں۔ اتنی بڑی ہستی کے لیئے بھی یہ ناموزوں جگہ نہیں۔

حمد و شکر

اس جگہ کی عظیم الشان اور عمیق تاریخ پر جب میں غور کرتا ہوں اور دیکھتا ہوں کہ اس جگہ کھڑے ہونیکی عزت میرے حصے میں آئی ہے۔ تو بے اختیار میری روح خدا کے حمد و شکر میں ڈوب جاتی ہے اور وہی جان سکتا ہے کہ میرے دل کے سرور و نشاط کا کیا عالم ہوتا ہے۔ میں مجرموں کے اس کٹہرے میں محسوس کرتا ہوں کہ بادشاہوں کے لیئے قابل رشک ہوں۔ ان کو اپنی خوابگاہ عیش میں خوشی اور راحت کہاں نصیب جس سے میرے دل کا ایک ایک ریشہ معمور ہو رہا ہے۔ کاش غافل اور نفس پرست انسان اس کی ایک ہی جھلک ہی دیکھ پائے۔ اگر ایسا ہوتا تو سچ کہتا ہوں لوگ اس جگہ کے لیئے دعا مانگتے۔

میں بیان کیوں دیتا ہوں

بہرحال میرا ارادہ نہ تھا کہ بیان دوں لیکن چھ جنوری کو جب میرا مقدمہ پیش ہوا تو میں نے دیکھا کہ گورنمنٹ مجھے سزا دلانے کے معاملے میں نہایت عاجز و پریشان ہو رہی ہے حالانکہ میں ایسا شخص ہوں جس کو اس کی خواہش اور خیال کے مطابق سب سے پہلے اور سب سے زیادہ سزا ملنی چاہیے۔

پہلے میرے خلاف دفعہ ۱۲۴ الف ترمیم ضابطہ فوجداری کا دعویٰ کیا گیا تھا۔ لیکن جب اس کا ویسا ثبوت بھی بہم نہ ہو سکا جیسا کہ آج کل اثبات جرم کے لئے کافی تصور کیا جاتا ہے تو مجبوراً واپس لے لی گئی اب ۱۲۴ الف کا مقدمہ چلایا گیا۔ لیکن بدقسمتی سے یہ بھی مقصد براری کے لئے کافی نہیں کیوں کہ جو تقریریں ثبوت میں پیش کی گئی ہیں وہ ان بہت سے باتوں سے خالی ہیں جو اپنی بے شمار تقریروں اور تحریروں میں ہمیشہ کہتا رہتا ہوں۔ اور جو شاید گورنمنٹ کے لئے زیادہ کارآمد ثابت ہوتیں۔

یہ دیکھ کر میری رائے بدل گئی۔ میں نے محسوس کیا جو سبب بیان نہ دینے کا تھا وہ اب متقاضی ہے کہ خاموش نہ رہوں اور جس بات کو گورنمنٹ باوجود جاننے کے دکھلا نہیں سکتی۔ اسے خود کامل اقرار کے ساتھ اپنے قلم سے لکھدوں میں جانتا ہوں کہ قانون عدالت کی رو سے یہ میرے فرائض میں داخل نہیں ہے۔ میری جانب سے پراسیکیوشن کے لئے بھی

بہت بڑی مدد ہے کہ میں نے ڈیفینس نہیں کیا۔ لیکن حقیقت کا قانون عدالتی قواعد کی حلیہ جوئیوں کا پابند نہیں ہے یقیناً یہ سچائی کے خلاف ہوگا کہ ایک بات صرف اس لئے پوشیدہ رہنے دیا جائے کہ مخالف اپنی عاجزی کی وجہ سے ثابت نہ کر سکا۔

اقرار جرم

(۱) ہندوستان کی بیورہ کریسی ایک ویسا ہی حاکمانہ اقتدار ہے جیسا اقتدار ملک و قوم کی وجہ سے ہمیشہ طاقتور انسان حاصل کرتے رہے ہیں قدرتی طور پر یہ اقتدار قومی بیداری کی نشوونما اور آزادی و انصاف کی جدوجہد کو مبغوض رکھتا ہے۔ کیوں کہ اس کا لازمی نتیجہ اس کی غیر منصفانہ طاقت کا زوال ہے اور کوئی وجود اپنا زوال پسند نہیں کر سکتا۔ اگرچہ از روئے انصاف کتنا ہی ضروری ہو۔ یہ گویا "تنازع للبقا" (STRUGGLE FOR EXISTANCE) کی ایک جنگ ہوتی ہے جس میں دونوں فریق اپنے اپنے فوائد کے لئے جدوجہد کرتے ہیں۔ قومی بیداری چاہتی ہے کہ اپنا حق حاصل کرے قابض طاقت چاہتی ہے کہ اپنی جگہ سے نہ ہٹے کہا جاسکتا ہے کہ پہلے فریق کی طرح آخر الذکر بھی قابل ملامت نہیں۔ کیوں کہ وہ بھی اپنے بچاؤ کے لئے پیر مارتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس کا وجود انصاف کے خلاف واقع ہوا ہے۔ ہم طبیعت کی مقتضیات سے تو انکار نہیں کر سکتے یہ واقعہ ہے کہ دنیا میں

نیکی کی طرح برائی بھی زندہ رہنا چاہتی ہے۔ وہ خود کتنی ہی قابلِ ملامت ہو۔ لیکن زندگی کی خواہش قابلِ ملامت نہیں ہے۔

ہندوستان میں بھی یہ مقابلہ شروع ہو گیا ہے اس لئے یہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔ اگر بیوروکریسی کے نزدیک آزادی اور حق طلبی کی جدوجہد جرم ہو اور وہ ان لوگوں کو سخت سزاؤں کا مستحق خیال کرے جو انصاف کے نام سے اس کی غیر منصفانہ ہستی کے خلاف جنگ کر رہے ہیں میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نہ صرف اس کا مجرم ہوں بلکہ ان لوگوں میں ہوں جنہوں نے اس جرم کی اپنے قوم کے دلوں میں تخم ریزی کی ہے۔ اور اس کی آبیاری کے لئے اپنی پوری زندگی وقف کر دی ہے۔ میں مسلمانانِ ہند میں پہلا شخص ہوں جس نے ۱۹۱۲ء میں اپنی قوم کو اس جرم کی عام دعوت دی اور تین سال کے اندر اس غلامانہ روش سے ان کا رخ پھیر دیا جس میں گورنمنٹ کے پرپیچ فریب نے مبتلا کر رکھا تھا۔ پس اگر گورنمنٹ مجھے اپنے خیال میں مجرم سمجھتی ہے اور اس لئے سزا دلانا چاہتی ہے تو میں پوری صاف دلی کے ساتھ تسلیم کرتا ہوں کہ یہ کوئی خلاف توقع بات نہیں ہے جس کے لئے مجھے کوئی شکایت ہو۔

میں جانتا ہوں کہ گورنمنٹ فرشتے کی طرح معصوم ہونے کا دعویٰ رکھتی ہے کیونکہ اس نے خطاؤں کے اقرار سے ہمیشہ انکار کیا۔ لیکن مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ اس نے مسیح ہونے کا بھی دعویٰ نہیں کیا پھر میں کیوں امید کروں کے وہ اپنے مخالفوں کو پیار کرے گی، وہ تو وہی کرے گی جو کر رہی

ہے اور جو ہمیشہ استبداد نے آزادی کے مقابلہ میں کیا ہے۔ پس یہ ایک ایسا قدرتی معاملہ ہے جس میں دونوں فریق کے لئے شکوہ و شکایت کا کوئی موقع نہیں۔ دونوں کو اپنا اپنا کام کئے جانا چاہیئے۔

گورنمنٹ بنگال اور میری گرفتاری

میں یہ بھی ظاہر کر دینا چاہتا ہوں کہ میرا معاملہ جو کچھ تھا گورنمنٹ آف انڈیا سے تھا وہ کسی خاص معین الزام کی بنا پر نہیں بلکہ موجودہ تحریک کی عام مشغولیت کی وجہ سے مجھے گرفتار کر سکتی تھی اور جیسا کہ قاعدہ ہے گرفتاری کے لئے کوئی حیلہ پیدا کر لیتی چنانچہ ملک میں عام طور پر یہ خیال کیا جاتا تھا کہ علی برادران سے مجھے زیادہ مہلت دی گئی، مگر اب زیادہ عرصے تک تغافل نہ کیا جائے گا۔ لیکن یہ واقعہ ہے کہ گورنمنٹ بنگال کے سامنے اس وقت میرا معاملہ نہ تھا وہ دفعہ ۱۲۴۔ الف کا مقدمہ چلانا چاہتی تھی۔ اس دفعہ کے ثبوت میں جو تقریریں پیش کی گئیں ہیں وہ نصف سال پہلے کلکتہ میں کی گئی ہیں اور گورنمنٹ نے مقدمہ کی اجازت ۲۲۔ دسمبر کر دی ہے۔ یعنی میری گرفتاری سے بارہ دن بعد اگر فی الواقع ان تقریروں پر سڈیشن تھا تو کیوں مجھے چھ ماہ تک گرفتار نہیں کیا گیا۔ اور اب گرفتار کیا بھی تو گرفتاری کے ۱۲ دن بعد ہر شخص ان دو واقعات سے صاف صاف سمجھ سکتا ہے کہ صورت حال کیا ہے۔ خصوصاً جب یہ تیسرا واقعہ بڑھا دیا جائے کہ ابتدا میں جو دفعہ ظاہر کی گئی

وہ ۱۲۴ الف نہ تھی، ترمیم ضابطہ فوجداری تھی پچیس دن کے بعد مجھ سے کہا جاتا ہے کہ وہ واپس لے لی گئی ہے۔

گرفتاری کا اصلی باعث

حقیقت یہ ہے کہ میری گرفتاری میں اس دفعہ کو کوئی دخل نہیں یہ قطعی ہے کہ مجھے انہی حالات کے سلسلے میں گرفتار کیا گیا۔ جو ۱۷ نومبر کے بعد رونما ہوئے ہیں۔ اگر میں پہلی دسمبر کو کلکتہ نہ آتا یا ۱۰ دسمبر سے پہلے باہر چلا جاتا جس کی جلسہ جمعیتہ علمار بدایوں کی وجہ سے توقع تھی تو گورنمنٹ بنگال مجھ سے کوئی تعرض نہ کرتی۔

۱۷ نومبر کے بعد دنیا کی تمام چیزوں میں سے جو چاہی جا سکتی ہے وہ صرف یہ چاہتی تھی کہ ۲۴ نومبر کو جب پرنس کلکتہ پہنچیں تو ہڑتال نہ ہو اور جو جابرانہ بے وقوفی ترمیم ضابطہ میں ۱۹۰۸ء کے نفاذ میں ہو گئی ہے۔ وہ ایک دن کے لئے بھی قبول کر لی جائے وہ خیال کرتی تھی کہ میری اور مسٹر سی آر داس فوجداری کی موجودگی میں ہارج ہے اس لئے کچھ عرصے کے تذبذب اور غور و فکر کے بعد ہم دونوں گرفتار کر لئے گئے۔ گرفتاری بلا وارنٹ کے ہوئی تھی۔ لیکن جب دوسرے دن ضابطہ کی نمائش پوری کرنے کے لئے مجسٹریٹ جیل میں بھیجا گیا۔ تو مسٹر داس کی طرح میری گرفتاری کے لئے بھی دفعہ ۱۷۔۲ ترمیم ضابطہ فوجداری ماتحت وارنٹ پیش کیا گیا۔

میں گذشتہ دو سال کے اندر بہت کم کلکتہ میں رہ سکا ہوں، میرا زیادہ تر تمام وقت تحریک خلافت کی مرکزی مشغولیت میں صرف ہوا یا ملک کے پیہم دوروں میں اکثر ایسا ہوا کہ مہینے دو مہینے کے بعد چند دنوں کے لئے کلکتہ آیا۔ اور پراونشیل خلافت کمیٹی کے کاموں کی دیکھ بھال کر کے پھر باہر چلا گیا۔ وسط نومبر سے بھی میں سفر میں تھا۔ ۱۶، کو کلکتہ سے روانہ ہوا تاکہ جمیعتہ علماء ہند کے سالانہ اجلاس لاہور میں شریک ہوں وہاں مہاتما گاندھی کے تار سے بمبئی کی شورش کا حال معلوم ہوا اور میں بمبئی چلا گیا۔ جنوری تک میرا ارادہ واپسی کا نہ تھا کیونکہ دسمبر کو جمیعتہ علماء کا اسپیشل اجلاس بدایوں میں تھا اس میں شرکت ضروری تھی۔ اس کے علاوہ مجھے تمام وقت انگورہ فنڈ کی فراہمی میں صرف کرنا تھا۔ لیکن یکایک گورنمنٹ بنگال نے تازہ جبر و تشدد کو روا رکھا اور کمیونک کی اطلاع بمبئی میں ملی اور میرے لئے ناممکن ہو گیا کہ ایسی حالت میں کلکتہ سے باہر رہوں۔ میں نے مہاتما گاندھی سے مشورہ کیا۔ ان کی بھی یہی رائے ہوئی کہ مجھے تمام پروگرام ملتوی کر کے کلکتہ چلا جانا چاہیئے۔ زیادہ خیال اس بات کا تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ گورنمنٹ کا جبر و تشدد لوگوں کو بے قابو کر دے اور کوئی بات صبر و ضبط کے خلاف کر بیٹھیں۔ بالخصوص جبکہ سول گارڈ کے قیام کی خبریں بھی آ چکی تھیں اور اس بار ہم سے کوئی غلطی نہیں ہو سکتی تھی کہ یہ نئی اسلحہ بندی کن شریفانہ اور پر امن اغراض کے لئے وجود میں آئی ہے۔"

میں پہلی دسمبر کو کلکتہ پہنچا۔ میں نے ظلم اور برداشت دونوں انتہائی

مناظر اپنے سامنے پائے۔

میں نے دیکھا کہ ۷ار نومبر کی یادگار ہڑتال سے بے بس ہو کر گورنمنٹ اس آدمی کی طرح ہو گئی ہے جو جوش اور غصہ میں آپے سے باہر ہو جائے اور غیظ و غضب کی کوئی حرکت بھی اس سے بعید نہ ہو۔ ۱۹۰۸ء کے کریمنل لاامنڈ منٹ ایکٹ کے تحت قومی رضا کاروں کی تمام جماعتیں مجمع خلاف قانون (ان لاقل) قرار دیدی گئی ہیں۔ پبلک اجتماعات یک قلم روک دیئے ہیں۔ قانون صرف پولیس کی مرضی کا نام ہے۔ وہ "ان لاقل" جماعت کی تفتیش اور شبہ میں جو چاہے کر سکتی ہے، حتیٰ کہ راہ چلتوں کی جان و آبرو بھی محفوظ نہیں۔ گورنمنٹ نے پہلے ۱۸ر نومبر کے کمیونک میں صرف سابق و موجودہ رضا کار جماعتوں کا ذکر کیا تھا۔ لیکن ۲۴ر کو دوسرا کمیونک جاری کر کے تمام آئندہ جماعتیں بھی خلاف قانون قرار دیدیں اور پولیس نے بلا امتیاز ہر اس شخص کو جو سامنے آگیا گرفتار کرنا شروع کر دیا کوئی بات بھی جس سے ۲۴ کی ہڑتال رکنے کا امکان ہو پولیس اور پولیس سے بھی زیادہ شریف قوم "سول گارڈ" کے لئے ناجائز نہیں۔ سول گارڈ یعنی قومی رضاکاروں کا جواب ہے۔ وہ بالکل نہتے ہونے پر بھی جبر و تشدّد سے ہڑتال کرا دیتے تھے۔ یہ ریوالور سے مسلح ہونے پر بھی "امن و صلح" کے ذریعہ ہڑتال روک دیں اس کے مقابلے میں لوگوں نے بھی برداشت اور استقامت دونوں کا گویا آخری عہد کر لیا ہے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نہ تو وہ اپنی راہ سے ہٹیں گے نہ تشدد کا مقابلہ کریں گے۔

ان حالات میں میرے لئے فرض کی راہ بالکل صاف اور یکسو تھی میں نے اپنے سامنے دو حقیقتیں بے نقاب دیکھیں ایک یہ کہ گورنمنٹ کی تمام طاقت کلکتہ میں سمٹ آئی ہے اس لئے فتح و شکست کا پہلا فیصلہ یہیں ہوگا دوسری یہ کہ ہم کل تک پوری آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے تھے، لیکن موجودہ حالت نے تبلادیا کہ ہماری آزادی کی مبادیات تک محفوظ نہیں ہیں، آزادی تقریر اور آزادی اجتماع انساں کے پیدائشی حقوق ہیں ان کی پامالی مشہور فلاسفروں کی زبان میں انسانیت کے قتل عام سے کچھ کم ہی جاتی ہے مگر یہ پامالی بلا کسی جھجک کے اعلانیہ ہو رہی ہے۔ پس میں نے باہر کا پروگرام منسوخ کر دیا۔ اور فیصلہ کر لیا کہ اس وقت تک کلکتہ ہی میں رہوں گا جب تک دو باتوں میں سے کوئی ایک بات ظہور میں نہ آجائے گورنمنٹ اپنا نوٹس اور آرڈر واپس لے لے یا مجھے گرفتار کر لے۔

گورنمنٹ نے ۱۰ دسمبر کو مجھے گرفتار کر لیا، میں پورے اطمینان و مسرت کے ساتھ جیل کو روانہ ہوا کیونکہ میں اپنے پیچھے ایک فتحمند میدان چھوڑ رہا تھا، میرا دل خوشی سے معمور تھا، کہ کلکتہ اور بنگال نے میری توقعات پوری کر دیں۔ وہ پہلے جس قدر پیچھے تھا اتنا ہی آج سب سے آگے ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کامیابی کے لئے گورنمنٹ کی امداد کا ہمیں پوری طرح اعتراف کرنا چاہیئے۔ اگر وہ ۱۷ نومبر کے بعد یہ طرز عمل اختیار نہ کرتی تو فی الواقع ہمارے لئے آئندہ کاموں کے انتخاب میں چند در چند مشکلات تھیں۔ ہم ۱۲ کو بمبئی میں انہی مشکلات پر باہم غور و خوض کر رہے تھے۔

دو حقیقتیں

حقیقت یہ ہے کہ ان گزشتہ ایّام نے بہ یک وقت دونوں حقیقتیں صفحاتِ تاریخ کے لئے مہیا کر دیں، اگر ایک طرف گورنمنٹ کے چہرے سے ادعاو نمائش کے تمام نقاب دور ہو گئے تو دوسری طرف ملکی طاقت بھی ایک سخت آزمائش میں پڑکر پوری طرح نمایاں ہو گئی دنیا نے دیکھ لیا کہ اگر گورنمنٹ ہر طرح کے جبرِ وتشدّد میں بالکل بے حجاب اور بے لگام ہے تو ملک میں بھی صبر و برداشت کی طاقت روز افزوں نشوونما پا رہی ہے جیسا کہ ہمیشہ انکار کیا گیا ہے آج بھی اس کا موقع حاصل ہے کہ انکار کر دیا جائے۔ لیکن کل تاریخ کے لئے یہ ایک نہایت ہی عبرت انگیز داستان ہوگی۔ یہ مستقبل کی رہنمائی کریگی۔ کیوں کہ اخلاقی مداخلت مادی طاقت کے جارحانہ گھمنڈ کو شکست دے سکتی ہے اور یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ صرف برداشت اور قربانی کے ذریعہ خون ریز اسلحہ کا مقابلہ کیا جائے؟ البتہ میں نہیں جانتا کہ ان دونوں فریق میں سے کسی بڑے فریق کے اندر اس بڑے انسان کی تعلیم تلاش کی جائے جو برائی کے مقابلے میں صبر و عفو کی تعلیم لے کر آیا تھا۔ گورنمنٹ میں یا ملک میں "میں خیال کرتا ہوں کہ بیوروکریسی کے حکام اس کے نام سے ناواقف نہ ہوں گے اس کا نام "مسیح" ہے۔

گورنمنٹ کا فیصلہ اور شکست

(۳۲) فلسفۂ تاریخ ہمیں بتلاتا ہے کہ نادانی اور ناعاقبت اندیشی ہمیشہ زوال پذیر طاقتوں کی رفیق ہوتی ہے۔ گورنمنٹ نے خیال کیا کہ وہ جبر و تشدد سے تحریک خلافت و سوراج کو پامال کر دے گی اور ۲۴۔ کی ہڑتال رُک جائے گی۔ اس نے والنٹیر کور کو خلاف قانون قرار دیا اور بلا امتیاز تمام کارکن گرفتار کر لئے گئے۔ وہ سمجھتی تھی کہ والنٹیر کی ممانعت اور کارکنوں کی گرفتاری کے بعد خلافت اور کانگریس کا انتظام معطل ہو جائے گا۔ اور اس طرح خود بخود ہڑتال رک جائے گی۔ لیکن بہت جلد گورنمنٹ کو معلوم ہو گیا کہ جبر و تشدد جب قومی بیداری کے مقابلہ میں نمایاں ہو تو وہ کوئی مہلک چیز نہیں ہوتی، نہ تو ہڑتال رک سکی نہ خلافت اور کانگریس کمیٹیاں معطل ہوئیں۔ اور نہ والنٹیر کا کام ایک دن کے لئے بھی بند ہوا۔ بلکہ ہماری غیر موجودگی میں یہ ساری چیزیں زیادہ طاقتور اور غیر مسنخر ہو گئیں۔ میں نے ۸ر دسمبر کو جو پیغام ملک کے نام لکھا تھا اس میں گورنمنٹ بنگال کے لئے بھی یہ پیغام تھا میری اور مسٹر سی آر داس کی گرفتاری کے بعد کام زیادہ طاقت اور مستعدی کے ساتھ جاری رہے گا۔ اور ۲۴ر کی ہڑتال اس سے زیادہ مکمل ہو گی جس قدر ہماری موجودگی میں ہو سکتی ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا گورنمنٹ خود اپنے پسند کئے ہوئے میدان میں ہار گئی اب وہ اپنی شرمندگی

چھپانے کے لئے ہاتھ پاؤں مار رہی ہے اور وہ جن کو گرفتار کر چکی ہے انہیں کسی نہ کسی طرح سزا دلانا چاہتی ہے۔ لیکن یہ بالکل بے سود ہے طاقتور آدمی کو شکست سے زیادہ جوش آتا ہے۔ لیکن کوئی شکست اس لئے فتح نہیں بن سکتی کہ ہم بہت زیادہ جھنجھلا سکتے ہیں۔

دفعہ ۱۲۴ الف

غرض کہ میری گرفتاری صریح طور پر انہی واقعات کا نتیجہ ہے اور اسی لئے دو ہفتہ تک میرے خلاف ۷ ارترمیم فوجداری ہی کا دعویٰ قائم رہا۔ لیکن اس بار جب ہمیں کوئی سہارا نہ ملا تو میرے پریس اور مکان کی تلاشی لی گئی تاکہ میری کوئی تحریر حاصل کر کے بنائے مقدمہ قرار دی جائے جب وہاں سے بھی کوئی مواد ہاتھ نہ آیا تو مجبوراً سی آئی ڈی کے محفوظ ذخیرے کی طرف توجہ دی گئی یہ ذخیرہ ہمیشہ شریفانہ کام کے لئے مستعد رہتا ہے اور ضرورت کو کبھی مایوس نہیں کرتا بس اس طرح ہزار زحمت دفعہ ۱۲۴۔ الف کا دعویٰ تیار ہو گیا۔

اجتماع ضدّین

(۴) یہ پریشانی گورنمنٹ کو خود اسی کی منافقانہ روش کی وجہ سے پیش آرہی ہے ایک طرف تو وہ یہ چاہتی ہے کہ ہر شخص حکمرانوں کی طرح بے ذریع

جبر و تشدد کر سے دوسری طرف چاہتی ہے کہ نمائشی قانون و عدالت کی آڑ بھی قائم رہے یہ دونوں باتیں متضاد ہیں جمع نہیں ہو سکتیں نتیجہ یہ ہے کہ اس کی پریشانی اور درماندگی روز بروز بڑھتی جاتی ہے جو لوگ اس کے خیال میں سب سے زیادہ مستحق تعزیر ہیں۔ ان ہی کو سزا دلانا اس کے لئے مشکل ہو گیا ہے۔ ابھی چند ہی مہینے گزرے ہیں کہ ہم کراچی میں گورنمنٹ کی سراسیمگی و درماندگی کا تمسخر آمیز تماشہ دیکھ رہے تھے جو سرکاری استغاثہ اس دعوٰی اور اہتمام کے ساتھ شروع کیا گیا تھا۔ اس سے خود گورنمنٹ کی پسندیدہ اور انتخاب کردہ جیوری بھی اتفاق نہ کر سکی۔

لطف یہ ہے کہ یہ مشکلات گورنمنٹ کو ایسی حالت میں پیش آ رہی ہیں جب کہ وہ جانتی ہے کہ نان کوآپریٹر کی جانب سے ڈیفنس نہیں کیا جائے گا۔ اور سخت سے سخت غلط بیانی اور قانون شکنی کی حالت میں بھی پردہ دری اور شکست کا کوئی کھٹکا نہیں ہے۔

نئی قانونی تشریحات

گورنمنٹ نے اس اطمینان سے پوری طرح کام لینے میں کوئی کوتاہی بھی نہیں کی ہے۔ نان کوآپریٹرز کے مقدمات آج کل جس طرح چکائے جا رہے ہیں اس سے معلوم کیا جا سکتا ہے کہ "لا" اور "آرڈر" کے بیوروکریٹک اصلاح میں کیا ہیں۔ "لا" اور "آرڈر" کی طرح اب دعوٰی ثبوت

شہادت تشخیص (آئی ڈینٹی فائی) وغیرہ تمام عدالتی مصطلحات کے معنی بھی انقلاب ہوگیا ہے۔ گویا نان کو اپریٹر کو جلد سزا دے دینے کے لئے ہر طرح کی بے قاعدگی اور قانون شکنی جائز ہے۔ حتیٰ کے اس بات کی بھی تحقیق ضروری نہیں کہ انسان کے ملزم ہونے کا دعویٰ کیا گیا ہے۔ کٹہرے کا ملزم وہی ہے بھی یا نہیں۔ ابھی اسی ہفتہ جوڑا بگان کی عدالت مے ایک شخص عبدالرحمن ہاشم کو اس پر زور قانونی اور منطقی ثبوت پر چھ ماہ کی سزا دی گئی ہے کہ اعظم ہاشم نامی ایک خلافت دانسٹرڈ دنیا میں وجود رکھتا ہے اور دونوں کے نام میں لفظ ہاشم مشترک ہے۔ خود میرے مقدمے میں صریح بے ضابطگیاں کی گئی ہیں ان کا ذکر لاحاصل سمجھ کر نہیں کرنا چاہتا ورنہ وہی اس حقیقت کے انکشاف کے لئے کافی تھیں مثال کے طور پر صرف ایک واقعہ کا ذکر کروں گا جو بے قاعدگی اور غلط بیانی دونوں کا مجموعہ ہے مجھے دفعہ ۱۷ ترمیم ضابطہ فوجداری سے بری کر دیا گیا اور ۱۲۴ الف کے ماتحت وارنٹ حاصل کیا گیا قاعدہ کی رو سے رہائی اور از سرنو گرفتاری دونوں باتیں وقوع میں آنی چاہئے تھیں مگر یہ واقعہ ہے کہ ۱۲۴ کا کوئی وارنٹ مجھ پر تعمیل نہیں کیا گیا۔ حتیٰ کے ۱۶ جنوری تک مجھے اس کا علم نہیں ہوا۔ لیکن میرے سامنے گولڈی ڈپٹی کمشنر پولیس نے یہ حلفیہ شہادت دی ہے کہ اس نے پریسیڈنسی جیل میں مجھ پر وارنٹ سپرد کیا ہے۔

یہ سچ ہے کہ نان کو آپریٹر کسی کا ڈیفنس نہیں کر سکتے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ آدمی اپنے تمام کپڑے اتار ڈالے

اس لئے کہ شریف آدمی آنکھیں بند کر لیں گے۔ شریف آدمیوں نے تو سچ مچ آنکھیں بند کر لیں ہیں، لیکن دنیا کی آنکھیں بند نہیں ہیں۔

قانون کا ڈرامہ

فی الحقیقت "لا" اور "آرڈر" ایک ڈرامہ کھیلا جا رہا ہے جسے ہم کامیڈی ٹریجڈی دونوں کہہ سکتے ہیں۔
وہ تماشہ کی طرح مضحک بھی ہے اور مقتل کی دردانگیز بھی۔ لیکن میں ٹریجڈی کہنا زیادہ پسند کروں گا حسن اتفاق سے اس کا چیف ایکٹر انگلستان کا سابق چیف جسٹس ہے۔

میری تقریریں

۱۵ اپریل ایکیوشن کی جانب سے میری دو تقریریں ثبوت میں پیش کی گئیں جو میں نے پہلی اور پندرھویں جولائی کو مرزا پور پارک کے جلسہ میں کی تھیں یہ اس زمانے میں گورنمنٹ بنگال نے گرفتاریوں کی طرف پہلا قدم اٹھایا تھا اور چار مبلغین خلافت پر مقدمہ چلا کر سزائیں دلائی تھیں میں اس وقت سفر سے بیمار واپس آیا تھا میں نے دیکھا کہ لوگوں میں بے حد جوش پھیلا ہوا ہے اور ہر طرح کے مظاہرے کے لئے لوگ بے قرار ہیں، چونکہ میرے خیال میں

گرفتاریوں پر مظاہرہ کرنا تو نان کوآپریشن کے اصول کے خلاف تھا۔ اس لیے میں نے ہڑتال اور جلوس یک قلم روک دیئے۔ اس پر عوام کو شکایت ہوئی تو میں نے جلسے منعقد کئے اور لوگوں کو صبر و تحمل کی نصیحت کرتے ہوئے سمجھایا کہ نان وائلنس نان کوآپریشن کے اصول میں یہ بات داخل ہے کہ گرفتاریوں پر صبر و سکون کے خلاف کوئی بات نہ کی جائے اگر فی الواقع ان کی گرفتاریوں کا تمہارے دل میں درد ہے تو چاہئیے کہ اصلی کام کرو اور بیرونی کپڑا ترک کر کے دیسی گاڑھا پہن لو۔

استغاثہ نے جو نقل پیش کی ہے وہ نہایت ناقص غلط اور بے ربط ہے اور مسخ شدہ صورت ہے اور محض بے جوڑ۔ بعض مقامات پر بے معنی جملوں کا مجموعہ ہے جیسا کہ پڑھنے سے ہر شخص سمجھ سکتا ہے تاہم میں اس کے غلط اور بے ربط جملوں کو چھوڑ کر کیونکہ اس کے اعتراف سے میرا ادبی ذوق ابا کرتا ہے، باقی وہ تمام حصہ تسلیم کر لیتا ہوں جس میں گورنمنٹ کی نسبت خیالات کا اظہار ہے یا پبلک سے گورنمنٹ کے خلاف جدوجہد کی اپیل کی گئی ہے۔

استغاثہ کی جانب سے صرف تقریریں پیش کی گئی تھیں۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ ان کے کن جملوں کو وہ ثبوت کے لیے پیش کرنا چاہتا ہے، یا اس کے خیال میں مائی ڈیر برادران سے لے کر آخر تک سب ۱۲۴ الف ہے میں نے بھی دریافت نہیں کیا کیونکہ دونوں صورتیں میرے لئے یکساں ہیں۔ تاہم ان نقول کو دیکھتا ہوں تو استغاثہ کے خیال کے مطابق زیادہ سے زیادہ قابل ذکر جملے حسب ذیل ہیں۔

"ایسی گورنمنٹ ظالم ہے جو گورنمنٹ ناانصافی کے ساتھ قائم ہو۔ ایسی گورنمنٹ کو یا تو انصاف کے سامنے جھکنا چاہیئے یا مٹا دینا چاہیئے۔"

اگر فی الحقیقت تمہارے دلوں میں اپنے گرفتار بھائیوں کا درد ہے تو تم میں سے ہر شخص کا فرض ہے کہ وہ آج سوچ لے کہ کیا وہ اس بات کے لئے راضی ہے کہ جس جابرانہ قوت نے انہیں گرفتار کیا ہے وہ اس براعظم میں اسی طرح قائم رہے جس طرح ان کی گرفتاری کے وقت تھی۔

اگر تم ملک کو آزاد کرنا چاہتے ہو تو اس کا راستہ یہ ہے کہ جن چالاک دشمنوں کے پاس خونریزی کا بے شمار سامان موجود ہے، انہیں رائی برابر بھی اس کے استعمال کا موقع نہ دو اور کامل امن و برداشت کے ساتھ کام کرو۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ جب تقریروں میں کوئی ایسی بات کہی جاتی ہے تو اس سے مقرر کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اپنے بچاؤ کا سامان کر لے ورنہ اس کی دلی خواہش یہ نہیں ہوتی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو لوگ آج تمہارے ساتھ کام کر رہے ہیں تم میں سے کوئی بھی آدمی یہ ماننے کے لئے تیار نہ ہوگا کہ وہ جانے یا نظر بند ہونے سے ڈرتے ہیں۔ پس اگر وہ کہتے ہیں کہ امن و نظم کے ساتھ کام کرنا چاہیئے تو ان کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ اس ظالمانہ گورنمنٹ کے ساتھ، وفاداری کرنا چاہتے ہیں جو گورنمنٹ اس کی طاقت اور اس کا ماتحت آج دنیا کا سب سے بڑا گناہ ہے۔ یقیناً وہ اس گورنمنٹ کے وفادار نہیں ہو سکتے اس کے بعد میں نے کہا ہوگا۔ مگر کافی نہیں ہے وہ تو صرف اس لئے یہ کہتے ہیں کہ تمہاری کامیابی پر امن رہنے پر موقوف ہے تمہارے پاس وہ

شیطانی ہتھیار نہیں ہیں جن سے یہ گورنمنٹ مسلح ہے۔ تمہارے پاس صرف ایمان ہے۔ دل ہے، قربانی کی طاقت ہے۔ تم انہی ہتھیاروں سے اصلی ہتھیاروں کا کام لو اگر تم چاہو کہ اسلحہ کے ذریعہ فتح حاصل کرو تو ایسا نہیں کر سکتے۔ آج امن و سکون سے بڑھ کر تمہارے لئے کوئی چیز نہیں ہے۔

اگر تم چند گھڑیوں کے لئے گورنمنٹ کو حیران کرنا چاہتے ہو تو اس کے لئے میرے پاس بہت سے نسخے ہیں۔ اگر خدانخواستہ میں اس گورنمنٹ کا استحکام چاہتا تو وہ نسخے بتلا دیتا۔ لیکن میں تو ایسی جنگ چاہتا ہوں جو ایک ہی دن میں ختم نہ ہو جائے بلکہ فیصلہ کے آخری دن تک جاری رہے اور جب فیصلہ کی گھڑی آئے تو یا تو یہ گورنمنٹ باقی نہ رہے۔ یا تیس کروڑ انسان باقی نہ رہیں۔

جو الفاظ بریکٹ کے اندر ہیں وہ تقریر کی پیش کردہ کاپیوں میں نہیں ہیں بلکہ عبارت کے بامعنی ہونے کے لئے ضروری ہیں میں نے اس لئے تصحیح کر دی ہے کہ پراسیکیوشن کو استبدال میں مدد ملے۔ اگر اس کے مقصد کے لئے پوری تقریر کی تصحیح و تکمیل ضروری ہو تو میں اسی طرح کر دینے کے لئے تیار ہوں۔

اس کے علاوہ دونوں تقریروں میں لوگوں کو یہاں آنے کی دعوت دی ہے۔ مطالبات خلافت اور سوراج کو دہرایا ہے پنجاب کے مظالم وحشیانہ کہا ہے۔ لوگوں کو بتلایا ہے کہ جو گورنمنٹ جلیانوالہ باغ امرتسر میں چند منٹوں کے اندر سیکڑوں انسانوں کو قتل کر ڈالے اور اس کو ناجائز فعل بتلائے اس ناانصافی کی کوئی بات بھی بعید نہیں ہے۔

اقرار

(۶) میں اقرار کرتا ہوں کہ میں نے نہ صرف انہی دو موقعوں پر بلکہ گذشتہ دو سال کے اندر اپنی بیشمار تقریروں میں یہ اور اسی مطلب کے لیئے اس سے زیادہ واضح اور قطعی جملے کہے ہیں ایسا کہنا میں فرض کی تعمیل سے اس لیئے باز نہیں رہ سکتا ہوں ایسا ہی کہتا رہوں گا۔ میں اب بھی ایسا ہی کہنا چاہتا ہوں اور جب تک بول سکتا ہوں ایسا ہی کہتا رہوں گا۔ اگر میں ایسا نہ کہوں تو اپنے آپ کو خدا اور اس کے بندوں کے آگے بدترین گناہ کا مرتکب سمجھوں گا۔

موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے

(۷) یقیناً میں نے یہ کہا ہے "موجودہ گورنمنٹ ظالم ہے لیکن میں یہ نہ کہوں تو اور کیا کہوں میں یہ نہیں جانتا کہ کیوں مجھ سے یہ توقع کی جائے کہ ایک چیز کو اصلی نام سے پکاروں ؟ میں سیاہ کو سپید کہنے سے انکار کرتا ہوں۔

میں کم از کم نرم سے نرم لفظ جو اس بارے میں بول سکتا ہوں یہی ہے۔ ایسی ملفوظ صداقت جو اس سے کم ہو میرے علم میں کوئی نہیں۔

میں یقیناً یہ کہتا ہوں کہ ہمارے فرض کے سامنے وہی راہیں ہیں جو گورنمنٹ ناانصافی اور حق تلفی سے باز آجائے۔ اگر باز نہیں آسکتی تو مٹا دی

جائے میں نہیں جانتا اور اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔ یہ تو انسانی عقائد کی اتنی پرانی سچائی ہے کہ صرف پہاڑ اور سمندر ہی اس کے ہم عصر کہے جا سکتے ہیں جو چیز بری ہے اُسے یا تو درست ہونا چاہیئے۔ یا مٹ جانا چاہیئے تیسری بات کیا ہو سکتی ہے۔ جب کہ میں اس گورنمنٹ کی برائیوں پر یقین رکھتا ہوں تو یقیناً یہ دعا بھی نہیں مانگ سکتا کہ درست بھی نہ ہو اور اس کی عمر بھی دراز ہو۔

میرا یہ اعتقاد کیوں ہے

(۸) میرا اور میرے کروڑوں ہموطنوں کا یہ اعتقاد کیوں ہے۔ اس کے وجوہ و دلائل اب اس قدر آشکارہ ہو چکے ہیں کہ ملٹن کے لفظوں میں کہا جا سکتا ہے۔ سورج کے بعد دنیا کی ہر چیز سے زیادہ واضح اور محسوس ہے محسوسات کے لیے ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ انکار نہ کرو تاہم میں کہتا ہوں کہ میرا یہ اعتقاد اس لیے ہے کہ میں... ہندوستانی ہوں اس لئے ہے کہ میں مسلمان ہوں اس لئے ہے کہ انسان ہوں۔

شخصی اقتدار بالذات ظلم ہے

میرا اعتقاد ہے کہ آزاد رہنا ہر فرد اور ہر قوم کا پیدائشی حق ہے کوئی انسان یا انسانوں کی گڑھی ہوئی بیوروکریسی، یہ حق نہیں رکھتی کہ خدا کے بندوں کو اپنا محکوم بنائے۔ محکومی اور غلامی کے لئے کیسے ہی خوشنما کام کیوں نہ کر لئے جائیں لیکن وہ غلامی ہی ہے اور خدا کی مرضی اور اس کے قانون کے خلاف ہے پس

میں موجودہ گورنمنٹ کو جائز حکومت تسلیم نہیں کرتا اور اپنا ملکی مذہبی اور انسانی فرض سمجھتا ہوں کہ اس کی محکومی سے ملک و قوم کو نجات دلاؤں۔ اصلاحات اور تدریج توسیع اختیارات یا کا مشہور مغالطہ میرے اس صاف اور قطعی اعتقاد میں کوئی غلط فہمی پیدا نہیں کر سکتا۔ آزادی انسان کا پیدائشی حق ہے اور کسی انسان کو اختیار نہیں کہ حقوق کی ادائیگی میں جانبازی اور تقسیم کرے۔ یہ کہنا کہ کسی قوم کو اس کی آزادی تبدریج ملنی چاہیئے ایسی ہی بات ہے جیسے کہا جائے کہ مالک کو اس کی جائیداد اور قرضدار کو اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے دینا چاہیئے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ اگر مقروض سے ایک ہی دفعہ قرض واپس نہ لیا جائے تو یہ ایک مجبوری کا سمجھوتہ ہوگا۔ اس سے یک دفعہ وصولی کا حق زائل نہیں ہو جا سکتا۔

"رفارم" کی نسبت میں روس کے عظیم الشان لیو ٹالسٹائی LEO (TALSTOY) کے لفظوں میں کہوں گا۔ اگر قیدیوں کو اپنے ووٹ سے اپنا جیلر منتخب کرنے کا اختیار مل جائے تو اس سے وہ آزاد نہیں ہو جائیں گے۔

میرے لیئے اس کے اچھے برے کاموں .... کا سوال ایک ثانوی سوال ہے پہلا سوال خود اس کے وجود کا ہے۔ میں ایسے حاکمانہ اقتدار کو بہ اعتبار اس کی خلقت ہی کے ناجائز یقین کرتا ہوں۔ اگر وہ تمام ناانصافیاں ظہور میں نہ آتیں جو اس کثرت سے واقع ہو چکی ہیں جب بھی میرے اعتقاد میں وہ ظالم تھا۔ کیوں کہ اس کی ہستی ہی سب سے بڑی ناانصافی ہے اور اس کی برائی کے لیئے اس قدر کافی ہے کہ وہ موجود ہو۔ اگر وہ اچھے کام کرے تو اس کی اچھائی تسلیم کر لی جائے گی لیکن اس کا وجود ناجائز اور ناانصاف

ہی رہے گا۔ اگر ایک شخص ہماری جائیداد پر قابض ہو کر بہت اچھے اور نیک کام انجام دے تو اس کے کام کی خوبی کی وجہ سے اس کا قبضہ جائز نہیں ہو سکتا۔ برائی میں کم کیفیت کے اعتقاد سے تقسیم ہو سکتی ہے۔ لیکن حسن و قبیح کے اعتبار سے اس کی ایک ہی قسم ہے یعنی اس اعتبار سے تقسیم ہو سکتی ہے کہ وہ کتنی ہے اور کیسی ہے؟ اس اعتبار سے نہیں ہو سکتی کہ وہ اچھی ہے یا بری ہے۔ کتنی ہے اور کیسی ہے آج کہہ سکتے ہیں کہ زیادہ بڑی چوری اور کم بڑی چوری لیکن یہ تو کر سکتے ہیں کہ اچھی چوری اور بری چوری۔ بس میں بیوروکریسی کی اچھائی اور جائز ہونے کا کسی حال میں بھی تصور نہیں کر سکتا کیونکہ وہ فی نفسہ ایک ناجائز عمل ہے۔ البتہ اس کی برائی کم اور زیادہ ہو سکتی ہے۔ لیکن ہندوستان کی بیوروکریسی تو اتنا بھی نہ کر سکی کہ اپنی خلقی برائی پر ہی قانع رہتی جب کہ اس کی بڑائی پر ہی قانع رہتی جب اس کی خلقی برائی پر اس کی بے شمار برائیوں کا بھی برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ تو پھر کیوں کر اس کا تقاضہ بھی کیا جا سکتا ہے اس کے ظلم کا اعلان کیا جائے۔

اسلام اور بیوروکریسی

(۹) میں مسلمان ہوں اور بہ حیثیت مسلمان ہونے کے بھی میرا فرض ہے کہ اسلام کسی اقتدار کو جائز تسلیم نہیں کرتا جو شخصی ہو یا چند تنخواہ دار حاکموں کو بیوروکریسی ہو۔ وہ آزادی اور جمہوریت کا ایک مکمل نظام ہے جو نوع انسانی

کی چھینی ہوئی آزادی کو واپس دلانے آیا تھا یہ آزادی بادشاہوں، اجنبی حکومتوں خود غرض مذہبی پیشواؤں اور سوسائٹی کی طاقتور جماعتوں نے غصب کر رکھی تھی وہ سمجھتے تھے حق طاقت اور قبضہ ہے۔ لیکن اسلام نے ظاہر ہوتے ہی یہ اعلان کیا کہ حق طاقت نہیں بلکہ خود حق ہے اور خدا کے سوا کسی انسان کو سزاوار نہیں کہ بندگان خدا کو اپنا محکوم اور غلام بنائے۔ اس نے امتیاز اور بالادستی کے تمام قومی اور نسلی مراتب یک قلم مٹا دیئے اور دنیا کو بتلایا کہ سب انسان درجے میں برابر ہیں اور سب کے حقوق مساوی ہیں نسل، قومیت رنگ معیار فضیلت نہیں ہے بلکہ صرف عمل ہے اور سب سے بڑا وہی ہے جس کے کام سب سے اچھے ہوں۔ یَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُم مِّن ذَكَرٍ وَأُنثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ لِتَعَارَفُوا ۚ إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ (سورۃ الحجرات ع ۱۴-۱۳)

اسلام ایک جمہوری نظام ہے

انسانی حقوق کا یہ وہ اعلان ہے جو انقلاب فرانس سے گیارہ سو برس پہلے ہوا یہ صرف اعلان ہی نہ تھا بلکہ ایک عملی نظام تھا جو مشہور مؤرخ گبن کے لفظوں میں اپنی کوئی مثال نہیں رکھتا پیغمبر اسلام اور ان کے جانشینوں کی حکومت اور مکمل جمہوریت تھی۔ اور صرف قوم کی رائے نیابت اور انتخاب سے اس کی بناوٹ ہوتی تھی یہی ہے کہ اسلام کی اصطلاح میں جیسے جامع اور عمدہ الفاظ اس مقصد کے لئے موجود ہیں شاید ہی دنیا کی کسی زبان میں پائے

جائیں اسلام نے بادشاہ کے اقتدار اور شخصیت سے انکار کیا ہے اور صرف ایک رئیس جمہوریہ (پریسیڈنٹ آف ری پبلک) کا عہدہ قرار دیا لیکن اس کے لئے بھی خلیفہ کا لقب تجویز کیا۔ اس کے لغوی معنی بُعد کے ہیں۔ گویا اس کا اقتدار محض نیابت ہے۔ اس سے زیادہ کوئی اختیار نہیں رکھتا اسی طرح قرآن نے نظام حکومت کے لئے شوریٰ کا لفظ استعمال کیا۔ وامرھم شوریٰ بینھم۔ چنانچہ پوری ایک سورت اسی نام سے قرآن میں موجود ہے۔ شوریٰ کے معنیٰ باہم مشورہ کے ہیں یعنی جو کام کیا جائے جماعت کے باہم رائے اور مشورے سے کیا جائے جماعت کے۔ شخصی رائے اور حکم سے نہ ہو اس سے زیادہ صحیح نام جمہوری نظام کے لئے رہو سکتا ہے۔

قومی اور مسلم بیوروکریسی بھی ظلم ہے

جب اسلام مسلمانوں کا یہ فرض قرار دیتا ہے کہ وہ ایسی اسلامی حکومت کو بھی منصفانہ تسلیم نہ کریں جو قوم کی رائے اور انتخاب سے نہ ہو تو پھر ظاہر ہے کہ مسلمانوں کے لئے ایک اجنبی بیوروکریسی کیا حکم رکھتی ہے؟ اگرچہ آج ہندوستان میں ایک خاص اسلامی حکومت قائم ہو جائے مگر اس کا نظام بھی شخصی ہو۔ یا چند حاکموں کی بیورکریسی ہو تو بہ حیثیت مسلمان ہونے کے میرا فرض ہو گا کہ اس کو ظلم کہوں اور تبدیلی کا مطالبہ کروں! اسلام کے علمائے حق نے ہمیشہ جابر مسلمان بادشاہوں کے خلاف ایسا ہی اعلان و مطالبہ کیا ہے۔

میں تسلیم کرتا ہوں کہ یہ نظام بعد کو قائم نہ رہ سکا۔ مشرقی رومی حکومت اور ایرانی شہنشاہی کے پر شوکت انسانوں نے مسلمانوں کو گمراہ کر دیا۔ اسلامی خلیفہ بسا اوقات پھٹے پرانے کپڑوں میں ایک عام فرد کی طرح ملبوس ہوتا تھا۔ انہوں نے قیصر و کسرا بننے کو ترجیح دی تاہم تاریخ اسلام کا کوئی عہد بھی ایسے مسلمانوں سے خالی نہیں رہا ہے جنہوں نے اعلانیہ حکام وقت کے استبداد و شخصیت کے خلاف احتجاج نہ کیا ہو اور ان تمام تکلیفوں کو خوشی خوشی جھیل نہ لیا ہو جو اس راہ میں پیش آتی ہیں۔

مسلمانوں کا قومی وظیفہ

ایک مسلمان سے یہ توقع رکھنی کہ وہ حق کا اعلان نہ کرے اور ظلم کو ظلم نہ کہے بالکل ایسی ہی بات جیسے یہ کہا جائے کہ وہ اسلامی زندگی سے دست بردار ہو جائے۔ اگر تم کسی آدمی سے اس مطالبے کا حق نہیں رکھتے کہ وہ اپنا مذہب چھوڑ دے تو یقیناً ایک مسلمان سے یہ مطالبہ بھی نہیں کر سکتے کہ وہ ظلم کو ظلم نہ کہے کیونکہ دونوں باتوں کا مطلب ایک ہی ہے۔ یہ تو اسلامی زندگی کا وہ عنصر ہے جس کو الگ کر دینے کے بعد اس کی سب سے بڑی یا بہ الامتیاز خصوصیت معدوم ہو جاتی ہے اسلام نے مسلمانوں کی قومیت کی بنیاد ہی اس بات پر رکھی ہے کہ وہ دنیا میں سچائی اور حقیقت کے گواہ ہیں۔ ایک گواہ کا فرض ہوتا ہے کہ وہ جو کچھ وہ جانتا ہے بیان کرے ٹھیک اسی طرح

مسلمان کا یہ بھی وظیفہ (ڈیوٹی) ہے کہ جس سچائی کا جسے علم و یقین دیا گیا ہے ہمیشہ اس کا اعلان کرتا رہے اور ادائے فرض کی راہ میں کسی آزمائش اور مصیبت سے نہ ڈولے۔ علی الخصوص جب ایسا ہو کہ ظلم و جور کا دور دورہ ہو جائے اور جبر و تشدد سے اعلانِ حق کو روکا جائے تو پھر یہ فرض اور بھی زیادہ لازمی ہو جاتا ہے۔ کیوں کہ اگر طاقت کے ڈر سے لوگوں کا چپ ہو جانا گوارا کر لیا جائے اور دو اور دو کو اس لئے چار نہ کہا جائے کہ ایسا کہنے سے اسلامی جسم مصیبت میں مبتلا ہو جاتا ہے تو پھر سچائی اور حقیقت ہمیشہ کے لئے خطرہ میں پڑ جائے اور حق کے ابھرنے اور قائم رہنے کی کوئی راہ باقی نہ رہے۔ حقیقت کا قانون تو طاقت کی تصدیق کا محتاج ہے نہ اس لئے بدل سکتا ہے کہ ہمارے جسم پر کیا گزرتی ہے وہ تو حقیقت ہے اور اس وقت بھی حقیقت جب اس کے اظہار سے ہمارا جسم آگ کے شعلوں کے اندر جھونک دیا جائے۔ صرف اس لئے کہ ہمیں قید کر دیا جائے گا آگ میں ٹھنڈک اور برف میں گرمی نہیں پیدا کی جا سکتی۔

شہادت علی النّاس

یہی وجہ ہے کہ اسلام کی کتاب شریف (قرآن) میں مسلمانوں کو بتلایا گیا ہے کہ یہی وہ خدا کی زمین میں "شاہد" ہیں یعنی سچائی کی گواہی دینے والے ہیں۔ بہ حیثیت ایک قوم کے بھی ان کا قومی وظیفہ (و میشنل ڈیوٹی) ہے اور یہی ان کی

قومی خصلت (نیشنل کیریکٹر) ہے جو ان کو تمام پچھلی اور آئندہ قوموں میں ممتاز کرتی ہے۔ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ اسی طرح پیغمبر اسلام نے فرمایا وانتم شھداء اللہ فی الارض (بخاری) تم خدا کی طرف سے خدا کی زمین پر سچائی کے گواہ رہو۔ پس ایک مسلمان جب تک مسلمان ہے اس گواہی کے اعلان سے باز نہیں رہ سکتا۔

کتمان شہادت

اگر وہ باز رہے تو یہ قرآن کی اصطلاح میں "کتمان شہادت" ہے یعنی گواہی کو چھپانا ہے۔ قرآن نے ایسا کرنے والوں کو خدا کی پھٹکار کا سزاوار تبلایا ہے اور بار بار کہا ہے کہ اسی کتمان شہادت کی وجہ سے دنیا کی بڑی بڑی قومیں برباد و ہلاک ہوگئیں۔

امر بالمعروف و نہی عن المنکر

اسی لئے اسلام کی واجباب نہ فرائض میں ایک اہم فرض "امر بالمعروف اور عن المنکر" ہے یعنی نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا قرآن نے عقیدۂ توحید کے بعد جن کاموں پر سب سے زیادہ زور دیا ہے ان میں سے ایک کام یہ ہے قرآن نے تبلایا ہے کہ مسلمانوں کی تمام قومی بڑائی کی بنیاد اسی کام پر ہے وہ سب سے بڑی اور اچھی قوم اس لئے ہیں کہ نیکی کا حکم دیتے ہیں اور برائی کو روکتے ہیں۔ اگر وہ ایسا نہ کریں تو وہ ساری بڑائی کھو دیں۔ کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف تنھون عن المنکر۔

قرآن سچے مسلمانوں کی پہچان یہ بتلاتا ہے۔ وہ حق کے اعلان میں کسی سے نہیں ڈرتے۔ نہ دنیا کا کوئی لالچ ان پر غالب آسکتا ہے نہ کوئی خوف وہ طمع بھی رکھتے ہیں تو صرف خدا سے۔

پیغمبر اسلام کے بے شمار قولوں میں سے جو اس بارے میں ہیں، ایک قول یہ ہے کہ نیکی کا اعلان کرو برائی کو روکو، اگر نہ کرو گے تو ایسا ہو گا کہ نہایت برے لوگ تم پر حاکم ہو جائیں گے اور خدا کا عذاب تمہیں گھیر لے گا۔ تم دعائیں مانگو گے کہ یہ جائیں مگر قبول نہ ہو گی (ترمذی و طبرانی حذیفہ) (عمر رض) لیکن

یہ فرض کیونکر انجام دیا جائے؟ تو اسلام نے تین مختلف حالتوں میں اس کے تین مختلف درجے بتلائے ہیں۔

چنانچہ پیغمبر اسلام علیہ السلام نے فرمایا۔ تم میں سے جو شخص برائی کی بات دیکھے تو چاہیئے کہ اپنے ہاتھ سے درست کر دے اگر اس کی طاقت نہ پائے تو اپنے دل میں اس کو برا سمجھے لیکن یہ آخری درجہ ایمان کی بڑی ہی کمزوری کا درجہ ہے (مسلم) ہندوستان میں ہمیں یہ استطاعت نہیں کہ اپنے ہاتھ سے گورنمنٹ کی برائیاں دور کر دیں اس لئے ہم نے دوسرا درجہ اختیار کیا۔ جس کی استطاعت حاصل ہے۔ یعنی زبان سے اعلان کرتے ہیں۔

ارکان اربعہ

قرآن نے مسلمانوں کی اسلامی زندگی کی بنیاد چار باتوں پر رکھی ہے اور بتلایا ہے کہ ہر طرح کی انسانی ترقی اور کامیابی انہی کے ذریعہ حاصل ہو سکتی ہے۔ ایمان عمل صالح توصیۂ حق توصیۂ صبر۔

"توصیۂ حق کے معنی یہ ہیں کہ ہمیشہ حق اور سچائی کی ایک دوسرے کو وصیت کرنا توصیۂ صبر کے معنی یہ ہیں کہ ہر طرح کی مصیبتوں اور رکاوٹوں کو جھیل لینے کی وصیت کرنا چونکہ حق کے اعلان کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ مصیبتیں آئیں اس لئے حق کے ساتھ صبر کی وصیت بھی ضروری تھی تاکہ مصیبتوں اور رکاوٹیں جھیلنے کے لئے ہر حق گو تیار ہو جائے۔

وَالْعَصْرِ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ ہ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ہ

اسلامی توحید اور امر بالمعروف

اسلام کی بنیاد عقیدۂ توحید ہے اور توحید کی "شرک" ہے جس سے بیزاری اور نفرت ہر مسلمان کی فطرت میں داخل کی گئی ہے، توحید سے مقصود یہ ہے کہ خدا کو اس کی ذات اور صفات میں ایک ماننا، شرک کے معنی یہ ہیں کہ اس کی ذات اور صفتوں میں کسی دوسری ہستی کو شریک کرنا پس سچائی کے اظہار میں بے خوفی اور بے باکی ایک مسلمان کی زندگی کا مایۂ خمیر ہے. توحید مسلمانوں کو سکھلاتی ہے کہ ڈرنے اور جھکنے کی سزاوار صرف خدا کی عظمت وجبروت ہے. اس کے سوا کوئی نہیں جس سے ڈرنا چاہیئے یا جس کے آگے جھکنا چاہیئے اور یقین کرتے ہیں کہ خدا کے سوا کسی ہستی سے ڈرنا خدا کے ساتھ اس کو شریک کرنا اور اپنے دل کے خوف اطاعت کا حقدار ماننا ہے یہ بات توحید کے ساتھ اکٹھی نہیں ہو سکتی.

اسی لئے اسلام تمام تر بے خوفی اور قربانی کی دعوت ہے. "قرآن جابجا کہتا ہے. مسلمان وہ ہے جو خدا کے سوا کسی سے نہ ڈرے ہر حال میں سچی بات کہے دولحہ بخش الا للہ پیغمبر اسلام نے فرمایا سب سے بہتر ہے موت اس آدمی کی موت ہے جو کسی ظالم کی حکومت کے سامنے حق کا اظہار

کرے اور اس کی پاداش میں قتل کیا جائے (ابوداؤد) وہ جب کسی سے اسلام کا عہد و اقرار لیتے ہیں تو ایک اقرار یہ ہوتا ہے کہ میں ہمیشہ حق کا اعلان کروں گا، خواہ کہیں ہوں۔ اور کسی حالت میں۔ (بخاری و مسلم)

اسی کا نتیجہ یہ ہے کہ دنیا کی کسی قوم کی تاریخ میں حق بینی اور حق گوئی کے لئے قربانی کی ایسی مثالیں نہیں مل سکتیں جس سے تاریخ اسلام کا ہر باب معمور ہے اسلام کے عالموں پیشواؤں۔ بزرگوں مصنفوں کے تراجم تمام تر اسی قربانیوں کی سرگزشت ہیں۔

اسلام میں کوئی دفعہ ۱۲۴ نہیں

تاریخ اسلام کے دو دور ہیں پہلا دور پیغمبر اسلام اور ان کے چار جانشینوں کا ہے یہ دور خالص اور کامل طور پر اسلامی نظام کا تھا۔ یعنی اسلامی جمہوریت (ری پبلک) اپنی اصلی صورت میں قائم تھی۔ ایرانی شہنشاہی اور رومی امارت کا کوئی اثر ابھی اسلامی مساوات عامہ پر نہیں پڑا تھا۔ اسلامی جمہوریت کا خلیفہ خود بھی طبقہ عوام (ڈیموکریٹک) کا ایک فرد ہوتا تھا۔ اور ایک عام فرد قوم کی طرح زندگی بسر کرتا تھا۔ وہ دارالخلافت کے ایک خس پوش چھپر میں رہتا تھا اور چار چار پیوند لگے کپڑے پہنتا تھا۔ اسلام کے دارالخلافت میں امریکن ری پبلکن کا کوئی قصر سفید (وائٹ ہاؤس) نہ تھا۔

دوسرا دور شخصی حکمرانی اور شہنشاہی کا ہے جو خاندان بنوامیہ سے شروع

ہوا۔ اس دور میں اسلامی جمہوریت درہم برہم ہوگئی۔ قوم کے انتخاب کی جگہ طاقت اور تسلط کا دور شروع ہوگیا۔ شاہی خاندان سے طبقہ امرار اسٹوکریٹ کی کی بنیاد پڑی اور اسلام کے گلیم پوش خلیفہ کی جگہ شہنشاہیت کا تاج وتخت نمودار ہوگیا۔ تاہم مسلمانوں کی زبانیں جس طرح پہلے دور کی آزادی میں بے روک تھیں اس طرح دوسرے دور کے جبر و تشدد و استبداد میں بے خوف رہیں میں بتلانا چاہتا ہوں کہ تعزیرات ہند (پینل کوڈ) کی طرح اسلامی قانون میں کوئی دفعہ ۱۲۴ الف نہیں ہے۔

پہلے دور کے مسلمانوں کی حق گوئی کا یہ حال تھا کہ دارالخلافت کی ایک بڑھیا عورت خلیفۂ وقت سے برسر عام کہہ سکتی تھی "اگر تم انصاف نہ کروگے تو تکلے کی طرح تمہارے بل نکال دیں گے۔ لیکن وہ مقدمہ بغاوت چلانے کی جگہ خدا کا شکر ادا کرتا کہ قوم میں ایسی راست باز مائیں موجود ہیں۔ جمعہ کے مجمع میں خلیفہ جب ممبر پر خطبہ کے لئے کھڑا ہوتا اور کہتا "اسمعوا واطیعوا" سنو اور اطاعت کرو تو ایک شخص کھڑا ہو جاتا اور کہتا نہ تو سنیں گے اور نہ اطاعت کریں گے۔ کیوں؟ اس لئے کہ تمہارے جسم پر جو چوغہ ہے وہ تمام حصہ کے کپڑے سے زیادہ ہے اور یہ خیانت ہے۔ اس پر خلیفہ اپنے لڑکے سے گواہی دلاتا ہے۔ وہ اعلان کرتا ہے کہ میں نے اپنے حصہ کا کپڑا بھی اپنے باپ کو دے دیا تھا۔ اس سے چغہ تیار ہوا۔

قوم کا یہ طرز عمل اس خلیفہ کے ساتھ تھا جس کی صولت وسطوت نے مصر اور ایران کا تخت الٹ دیا تھا۔ تاہم اسلامی حکومت میں کوئی

دفعہ ۱۲۴ الف نہ تھی۔ دوسرا دور شخصی واستبداد جس کی پہلی ضرب آزادی رائے اور آزادی تقریر ہی پڑتی ہے۔ لیکن اس دور میں بھی زبانوں کی بے باکی اور دلوں کی بے خوفی اسی طرح سرگرم رہی اور قید خانوں کی تاریک کوٹھڑیاں، تازیانوں کی ضرب اور جلاد کی تیغ بھی انہیں روک نہ سکی۔ پیغمبر اسلام کے ساتھی صحابہ کرام جب تک زندہ رہے۔ وقت کے جابر بادشاہوں کے ظلم کا اعلان کرتے رہے اور برابر مطالبہ کرتے رہے کہ حکومت قوم کے مشورہ اور انتخاب سے ہونی چاہیئے۔ جو لوگ اس کے تربیت یافتہ تھے (تابعین) ان کا اعلان بعینہ یہی رہا کہ درست ہو جاؤ یا مرمٹ جاؤ" امام محمد غزالی نے جن کو یورپ کے مؤرخین فلسفہ بھی (ALGA) کے نام سے پہچانتے ہیں اور اب میڈم کاریلی کے ناول (ARPATA) کے دوسرے باب نے انگریزی علم و ادب کو بھی روشناس کر دیا ہے۔ صرف ان صحابہ اور تابعین کا ذکر کیا ہے جو خلیفہ ہشام بن عبدالملک کے زمانے تک موجود تھے اور جنہوں نے حکمرانوں کے مظالم کا اعلان کر کے ہمیشہ منصفانہ اور نیابتی گورنمنٹ کا مطالبہ کیا تھا۔ ان کی تعداد ۲۳ سے بھی زیادہ ہے۔

ہشام بن عبدالملک نے طاؤس یمانی کو بلایا۔ وہ آئے مگر اس کا نام لے کر سلام کیا۔ امیرالمومنین یعنی قوم کا سردار نہ کہا جو سلطان خلیفہ کا لقب تھا۔ ہشام نے سبب پوچھا تو کہا۔ قوم تیری حکومت سے راضی نہیں اس لئے مجھے ان کا امیر کہنا جھوٹ ہے۔ ہشام نے کہا نصیحت کیجئے فرمایا "خدا سے ڈر۔ کیوں کہ تیرے ظلم سے زمین بھر گئی۔

مالک بن دینار بصرہ کی جامع مسجد میں اعلان کرتے ان ظالم بادشاہوں کو خدا نے اپنے بندوں کا چرواہا بنایا تھا کہ ان کی رکھوالی کریں پر انہوں نے بکریوں کا گوشت کھالیا، بالوں کا کپڑا بن کر پہن لیا۔ اور صرف ہڈیاں چھوڑ دیں۔

سلیمان عبدالملک جیسے ہیبت ناک خلیفہ سے ابو حازم کہتے ہیں۔

ان اباک قھروا الناس بالسیف واخذ الملک عنوۃ من غیر مشورۃ من المسلمین ولا رضا منھم۔ تیرے باپ دادا نے تلوار کے زور سے لوگوں کو مقہور کیا اور بلا قوم کی رائے اور انتخاب کے مالک بن بیٹھے۔ سلیمان نے کہا اب کیا کیا جائے۔ جواب دیا جن کا حق ہے انہیں لوٹا دے کہا میرے لئے دعا کیجئے فرمایا! خدایا! اگر سلیمان حق پر چلے تو اسے مہلت دے اور اگر ظلم سے باز نہ آئے تو پھر تو ہے اور اس کی گردن۔

سعید بن مسیب بہت بڑے تابعی تھے۔ وہ اعلانیہ بر سر بازار حکام کے ظلم وجور کا اعلان کرتے اور کہتے! کتوں کا پیٹ بھرتے ہو مگر انسانوں کو تم سے امان نہیں ملا

اس عہد کے بعد بھی مسلمان عالموں اور پیشواؤں کی حق گوئی کا یہی عالم رہا ہے منصور عباسی کے خوف وہیبت سے گھر میں بیٹھے ہوئے لوگ کانپا کرتے تھے۔ سفیان سوری سے ایک بار کہا۔ مجھ سے اپنی کوئی حاجت بیان کیجئے۔ انہوں نے جواب دیا۔ اتق اللہ فقد ملأت الارض ظلما وجورا" خدا سے ڈر زمین ظلم وجور سے بھر گئی ہے۔

جب مشہور عباسی خلیفہ ہارون رشید تخت نشین ہوا جس نے فرانس

کے شارلیمین کو ایک عجیب گھڑی بطور تحفہ کے بھیجی تھی، اور قیصر روم کو بقول گبن "اے کتے" کے بچے" کے لقب سے خط لکھا تھا) تو اس نے انہی سفیان سوری کو اپنے ہاتھ سے اشتیاق ملاقات کا خط لکھ کر بھیجا تھا۔ خط میں لکھا تھا کہ میں نے تخت نشینی کی خوشی سے بیشمار مال و دولت لوگوں میں تقسیم کی ہے تم بھی مجھ سے آکر ملو سفیان کوفہ کی مسجد میں ایک بڑے مجمع کے اندر بیٹھے تھے کہ یہ خط پہنچا۔ لیکن انہوں نے لینے سے انکار کر دیا۔ اور جس چیز کو ایک ظالم کے ہاتھ نے چھوا ہے میں اسے چھونا نہیں چاہتا ہوں۔ جب پڑھ کر سنایا گیا اس کی پشت پر جواب لکھوا دیا۔ خدا کے مغرور بندے ہارون کو جس کا ذوق ایمان سلب ہو چکا ہے معلوم ہو تو نے قوم کا مال بلا کسی حق کے اپنی تخت نشینی کی خوشی میں لٹا یا۔ اور اس کا حال لکھ کر اپنے گناہ پر مجھے اور میرے ساتھیوں کو بھی گواہ ٹھہرایا۔ پس ہم سب کل کو اللہ کے آگے اس کی گواہی دیں گے۔ اے ہارون! اے ہارون! تو نے حق و انصاف سے کنارہ کیا۔ تو نے پسند کیا کہ ظالم بنے اور ظالموں کی سرداری پائے تیرے حاکم بندگان خدا کو ظلم و جور سے پامال کر رہے ہیں اور تخت شاہی پر عیش و عشرت کر رہا ہیں۔ ہارون نے جب یہ خط پڑھا تو بے اختیار رونے لگا اور کہا یہ خط ہمیشہ میرے ساتھ رہے گا۔

مسلمان عالموں اور اماموں پر موقوف نہیں اس عہد کا عام فرد بھی اس اعلان میں بالکل بے خوف تھا۔ منصور عباسی ایک دن کعبہ کا طواف کر رہا تھا آواز آئی کہ کوئی شخص دعا مانگ رہا ہے۔ " خدایا۔ میں تیرے آگے فریاد کرتا ہوں ظلم غالب آگیا ہے اور حق اور حقداروں کے درمیان روک بن گیا

ہے۔ منصور نے اس شخص کو بلا کر پوچھا وہ کون ہے جس کا ظلم روگ بن گیا ہے۔ کہا تیرا وجود اور تیری حکومت۔

حجاج بن یوسف کا ظلم و ستم تاریخ اسلام کا نہایت مشہور واقعہ ہے لیکن اس کی بے پناہ تلوار بھی مسلمانوں کی حق گوئی پر غالب نہ آسکی۔ حطیط جب گرفتار ہو کر آیا تو پوچھا اب میرے لئے کیا کہتے ہو؟ اس نے کہا۔ "تو خدا کی زمین پر اس کا سب سے بڑا دشمن ہے۔"

پوچھا خلیفہ کے لئے کیا کہتے ہو؟ —— اس کا کام جرم تجھ سے بھی زیادہ ہے، تیرا ظلم تو اس کے بیشمار ظلموں میں سے صرف ایک ظلم ہے۔

مامون الرشید کے عہد میں ایسے مسلمان موجود تھے جو پکار پکار کر بر سر دربار کہتے۔ یاظالم انا ظالم ان لم اقل لك یاظالم

"اے ظالم! میں ظالم ہوں اگر تجھے ظالم کہہ کر نہ پکاروں۔"

فتنۂ تاتار اور فتنۂ یوروپ

یہ تو تاریخ اسلام کے ابتدائی اوراق ہیں لیکن اس عہد کے بعد ہر دور کا یہی حال رہا۔

مسلمانوں کے لئے موجودہ عہد عالمگیر فتنہ کوئی پہلا واقعہ نہیں ہے وہ ایک ایسے ہی سیلاب میں ڈوب کر اچھل چکے ہیں۔ جس طرح آج یوروپ اور علی الخصوص انگلستان کے ظہور اور تسلط سے تمام ایشیاء اور اسلامی ممالک کی

آزادی کا خاتمہ ہوگیا ہے ٹھیک اسی طرح پندرھویں صدی مسیحی میں بھی تاتاریوں کے وحشیانہ تسلط سے ظہور میں آیا تھا۔ یوروپ کے فتنہ کا آخری وحشت ناکی عباسی خلافت کی پامالی اور ایشیائے کوچک کا قتل عام تھا۔ تاتاری انسان نہیں تھے، درندے تھے، تاہم ہلاکو خاں منکوں خان اباقاآن خان جیسے سفاکوں کے زمانے میں بھی نڈر مسلمان موجود رہے جن کی زبانیں اعلان حق ان کی تلواروں سے بھی زیادہ تیز تھیں۔ شیخ سعدی شیرازی نے جن کی گلستاں کا نام اس کورٹ نے بھی سنا ہوگا۔ ہلاکو خاں کے منہ پر اسے ظالم کہا۔ شمس الدین تبارزی نے منکو خان کے دربار میں اس کی ہلاکت کی دعا مانگی۔ شیخ السلام احمد ابن تیمیہ نے اباقاآن خان پر بر سر دربار لعنت بھیجی۔ تاتاریوں کے پاس بے دریغ قتل کر دینے کا قانون تھا۔ تاہم تو وہ "چنگیز خاں" (قوانین چنگیز خاں) میں کوئی دفعہ ۱۲۴الف نہ تھی۔

حجاج اور ریڈنگ

ہم مسلمانوں کا جب اپنی قومی گورنمنٹ کے ساتھ جن کی اطاعت اور روئے شرع ہم پر واجب ہے ایسا سلوک رہا ہے تو ایک اجنبی گورنمنٹ کے کارندے ہم سے کیا امیدیں رکھتے ہیں۔ کیا ہندوستان کی اور روئے قانون قائم شدہ گورنمنٹ ہمارے لئے اس گورنمنٹ سے بھی زیادہ محترم ہے جو از روئے "شریعت اسلام" واجب اطاعت ہے۔ کیا انگلستان کی بادشاہت اور لارڈ

ریڈنگ کی نیابت۔ عبدالملک کی خلافت اور حجاج بن یوسف کی نیابت سے بھی زیادہ ہمارے لئے مقتدر ہو سکتی ہے۔ اگر ہم اجنبی وغیر مسلم اور قومی و مسلم کا عظیم الشان اور شرعی فرق بالکل نظر انداز کر دیں۔ جب بھی ہم سے صرف یہی امید کی جا سکتی ہے کہ جو کچھ حجاج بن یوسف اور خالد قسری کی گورنمنٹوں کے لئے کہہ چکے ہیں وہی چمسفورڈ اور ریڈنگ کی گورنمنٹوں کے لئے بھی کہیں ہم نے ان سے کہا تھا۔ اتق اللّٰہ فقد ملأت الارض ظلماً وجوراً۔ خدا سے ڈرو کیونکہ تمہارے ظلم سے زمین بھر گئی ہے۔ یہی ہم آج بھی کہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ہم اپنی کمزوری اور بے بسی کی وجہ سے آج ہندوستان میں جو کچھ کر رہے ہیں وہ در اصل قومی حکمرانوں کے ظلم و جور کے لئے ہمیں بتلایا گیا تھا۔ نہ کہ ایک اجنبی قبضہ تصرف کے مقابلے میں اگر برٹش گورنمنٹ کے ارکان اس حقیقت کو سمجھتے۔ تو انہیں تسلیم کرنا پڑتا کہ مسلمانوں کے تسامح اور درگزر کی حد ہو گئی ہے اس سے زیادہ اسلام کو برطانیہ کے لئے نہیں چھوڑ سکتے۔

اسلام نے حکمرانوں کے ظلم کے مقابلے میں دو طرح کے طرزِ عمل کا حکم دیا ہے کیونکہ حالتیں بھی دو مختلف ہیں ایک ظلم اجنبی قبضہ، تسلّط کا ہے۔ ایک خود مسلمان حکمرانوں کا ہے۔ پہلے کے لئے اسلام کا حکم ہے۔ تلوار سے مقابلہ کیا جائے۔ لیکن امر بالمعروف اور اعلانِ حق جس قدر بھی امکان میں ہو ہر مسلمان کرتا رہے۔ پہلی صورت میں دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہونا پڑے گا۔ دوسری صورت میں ظالم حکمران کے ہاتھوں طرح طرح کی قربانیاں کرنی چاہئیں اور دونوں کا نتیجہ کامیابی و فتحمندی ہے چنانچہ گزشتہ

تیرہ صدیوں میں مسلمانوں نے دونوں طرح کی قربانیاں کیں اور اجنبیوں کے مقابلے میں صبرو استقامت بھی دکھلائی پہلی صورتوں میں جس طرح ان کی جنگی جدوجہد کوئی مثال نہیں رکھتی اسی طرح دوسری صورت میں ان کی شہری جدوجہد بھی عدیم النظیر ہے۔

ہندوستان میں آج مسلمانوں نے دوسری صورت اختیار کی ہے حالانکہ مقابلہ ان کا پہلی حالت سے رہے ان کے لئے جن کی جدوجہد کا وقت آگیا تھا لیکن انھوں نے شہری جدوجہد کو اقرار کیا۔ انہوں نے "نون وائلیف" رہنے کا فیصلہ کر کے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ ہتھیار سے مقابلہ نہ کریں گے یعنی صرف وہی کریں گے جو انہیں مسلمان حکومتوں کے ظلم کے مقابلے میں کرنا چاہیئے۔ بلاشبہ اس طرز عمل میں ہندوستان کی خاص طرح کی حالت کو بھی دخل ہے۔ لیکن گورنمنٹ کو بھی سوچنا چاہیئے کہ اس سے زیادہ بدبخت مسلمان اور کیا کر سکتے ہیں حد ہو گئی کہ اجنبیوں کے ظلم کے مقابلے میں وہ بات کر رہے ہیں جو انہیں اپنوں کے مقابلے میں کرنی تھی۔

انقلاب حال

میں سچ کہتا ہوں کہ مجھے اس کی رائی برابر بھی شکایت نہیں کہ سزا دلانے کے لیے مجھ پر مقدمہ چلایا گیا ہے۔ یہ بات تو بہر حال ہونی ہی تھی۔ لیکن حالات کا یہ انقلاب میرے لئے بڑا ہی درد انگیز ہے کہ ایک مسلمان سے کتمان

شہادت کی توقع کی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے!" وہ ظلم کو صرف اس لئے نہ کہے کہ دفعہ ۱۲۴ الف کا مقدمہ چلایا جائے گا۔

مسلمانوں کی حق گوئی کا جو نمونہ ان کی قومی تاریخ دکھلاتی ہے وہ تو یہ ہے کہ ایک جابر حکمران کے سامنے ایک بے پرواہ انسان کھڑا ہے اس پر الزام یہی ہے کہ اس نے حکمران کے ظلم کا اعلان کیا اس کی پاداش میں اس کا ایک ایک عضو کاٹا جا رہا ہے۔ لیکن جب تک زبان نہیں کٹ جاتی وہ یہی اعلان کرتی رہتی ہے کہ حکمران ظالم ہے۔ یہ واقعہ عبدالمالک کے زمانے کا ہے جس کی حکومت افریقہ سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی۔ تم دفعہ ۱۲۴ الف کو اس سزا سے تول سکتے ہو۔

میں اس درد انگیز اور جانکاہ حقیقت سے انکار نہیں کرتا کہ اس انقلابی حالت کے ذمہ دار خود مسلمان ہی ہیں انہوں نے اسلامی زندگی کے تمام خصائلص کھو دیئے اور ان کی جگہ غلامانہ زندگی کے تمام اذائل قبول کر لئے ان کی موجودہ حالت سے بڑھ کر دنیا میں اسلام کے لئے کوئی فتنہ نہیں جب کہ میں یہ سطریں لکھ رہا ہوں تو میرا دل شرمندگی کے غم سے پارہ پارہ ہو رہا ہے کہ اسی ہندوستان میں وہ مسلمان بھی موجود ہیں جو ایمانی کمزوری کی وجہ سے اعلانیہ ظلم کی پرستش کر رہے ہیں۔

یا آزادی یا موت!

لیکن انسانوں کی بدعملی سے کسی تعلیم کی حقیقت نہیں جھٹلائی جا سکتی' اسلام کی تعلیم اس کی کتاب میں موجود ہے وہ کسی حال میں بھی جائز نہیں رکھتی۔ کہ آزادی کھو کر مسلمان زندگی بسر کریں مسلمانوں کو مٹ جانا چاہیئے یا آزاد رہنا چاہیئے۔ تیسری راہ اسلام میں کوئی نہیں۔ اسی لئے میں نے آج سے پہلے بارہ سال پہلے "الہلال" کے ذریعہ مسلمانوں کو یاد دلایا کہ آزادی کی راہ میں قربانی و جاں فروشی ان کا قدیم ورثہ ہے۔ ان کا اسلامی فرض یہ ہے کہ ہندوستان کی تمام جماعتوں کو اس راہ میں اپنے پیچھے چھوڑ دیں۔ میری صدائیں بیکار نہ گیئں۔ مسلمانوں نے اب آخری فیصلہ کر لیا ہے کہ اپنے ہندو، سکھ، عیسائی پارسی بھائیوں کے ساتھ مل کر اپنے ملک کو غلامی سے نجات دلائیں۔

مسئلہ خلافت و پنجاب

(۱۰) میں یہاں گورنمنٹ کی ان ناانصافیوں کا افسانہ نہیں چھیڑوں گا یہ مسئلہ خلافت اور مظالم پنجاب کا عالم گیر افسانہ ہے مگر میں اقرار کروں کہ گزشتہ دوران کے اندر کوئی صبح و شام مجھ پر ایسی نہیں گزری ہے جس میں میں نے "خلافت" اور پنجاب کے لئے گورنمنٹ کے مظالم کا اعلان

نہ کیا ہو، میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں نے ہمیشہ یہی کہا ہے۔ جو گورنمنٹ اسلامی خلافت کو پامال کر رہی ہو اور مظالم پنجاب کے لئے کوئی تلافی اور شرمندگی نہ رکھتی ہو ایسی گورنمنٹ کے لئے کسی ہندوستانی کے دل میں وفاداری نہیں ہوتی۔ گورنمنٹ کی جگہ وہ ایک فریق محارب کی حیثیت رکھتی ہے۔

میں نے ۱۳ دسمبر ۱۹۱۸ء کو جب میں رانچی میں گورنمنٹ آف انڈیا کے حکم سے نظر بند تھا۔ لارڈ چیمسفورڈ کو ایک مفصل چٹھی لکھی تھی۔ اس میں واضح کر دیا تھا کہ خلافت اور جزیرۃ العرب کے بارے میں اسلامی احکام کیا ہیں میں نے لکھا تھا کہ برٹش گورنمنٹ اسلامی خلافت اور اسلامی ممالک پر خلاف وعدہ متصرف ہو گئی تو اسلامی قانون کی رو سے ہندوستانی مسلمان ایک انتہائی کشمکش میں مبتلا ہو جائیں گے ان کے لئے دو ہی راہیں رہ جائیگی یا اسلام کا ساتھ دیں یا آخر ہو اوہی گورنمنٹ صریح وعدہ خلافی سے باز نہیں رہی۔ اس کا وعدہ کا ایفا بھی ضروری نہ سمجھا گیا۔ جو گورنمنٹ آف انڈیا نے ۲ نومبر ۱۹۱۴ء کے اعلان میں کیا تھا۔ اور وہ وعدہ بھی قریب پا ور ثابت ہوا جو مسٹر لارڈ جارج وزیر انگلستان نے ۹ جنوری ۱۹۱۸ء کو ہاؤس آف کامنس کی تقریر میں کیا تھا۔ شریف آدمیوں کے لیئے وعدہ خلافی عیب ہے۔ لیکن طاقتور حکومتوں کے لیئے کوئی بات بھی عیب نہیں ہے۔ اس حالت میں مسلمانوں کے لیے آخری درجہ کی کشمکش پیدا کر دی۔ اسلامی قانون کے اعتبار سے کم از کم وہ بات جو ان کے فرائض میں داخل تھی کہ

ایسی گورنمنٹ کی اعانت اور کوآپریشن سے ہاتھ کھینچ لیں چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا۔ وہ اس وقت تک قائم رہیں گے جب تک انہیں اپنا مذہب اور مذہب کے اٹل احکام عزیز ہیں۔

مسلمانوں کو یقین ہو گیا ہے کہ اگر وہ حق و انصاف چاہتے ہیں تو اس کی راہ صرف ایک ہی ہے سوراج کا حصول یعنی ایسی قومی گورنمنٹ کا حصول ہندوستانیوں کی ہو، ہندوستان میں ہو اور ہندوستان کے لئے ہو۔"

اگر ظلم نہیں تو کیا عدل ہے

(۱۱) غرض کے اس بارے میں میرا اقرار بالکل صاف اور واضح ہے موجودہ گورنمنٹ محض ایک ناجائز بیوروکریسی ہے وہ کروڑوں انسانوں کی مرضی اور خواہش کے لئے محض نفی ہے وہ ہمیشہ انصاف اور سچائی پر مطلب کو ترجیح دیتی ہے وہ جلیانوالہ باغ امرتسر کا وحشیانہ قتل عام جائز رکھتی ہے اور وہ انسانوں کے لئے اس حکم میں کوئی ناانصافی نہیں مانتی کہ چارپایوں کی طرح پیٹ کے بل چلایا جائے۔ وہ بے گناہ لڑکوں کو صرف اس لئے تازیانہ کی ضرب سے بیہوش ہو جانے دیتی ہے کہ ایک بت کی طرح "یونین جیک" کو سلام نہیں کرتے وہ تیس کروڑ انسانوں کی پیہم التجاؤں پر بھی اسلامی خلافت کی پامالی سے باز نہیں سمجھتی وہ سمرنا اور تھریس کو صریحاً نامنصفانہ طور پر یونانیوں کے حوالے کر دیتی ہے اور پھر تمام اسلامی آبادی کے قتل غارت کا تماشہ

دیکھتی ہے
انصاف کی پامالی میں اس کی جرأت انتھک اور دلیری بالکل بے باک ہے اور حقیقت کو جھٹلاتے ہوئے اس کے منہ میں کوئی لگام نہیں سمرتا میں ۷۰ فیصد مسلمانوں کی آبادی ہے مگر وزیر اعظم بغیر کسی شرمندگی کے مسیحی آبادی کی کثرت کا اعلان کر دیتا ہے۔ یونانی حکومت تمام اسلامی آبادی کو خون اور آگ کے سیلاب میں غرق کر دیتی ہے۔ لیکن وہ بے دھڑک ترکی مظالم کی فرضی داستانیں بیان کرتا رہتا ہے خود انگلستان کے بھیجے ہوئے امریکن کمیشن کی رپورٹ پوشیدہ کر دی جاتی ہے۔

پھر نہ تو ان تمام مظالم و جرائم کے لئے اعتراف ہے نہ تلافی بلکہ جائز اور پرامن جدوجہد کو پامال کرنے کے لئے ہر طرح کا جبر و تشدد شروع کر دیا جاتا ہے اور وہ سب کچھ کیا جاتا ہے جو گزشتہ ایک سال کے اندر کیا گیا ہے اور ۱۸ نومبر سے اس وقت تک بلکہ ہر حصہ میں ہو رہا ہے۔ میں اگر ایسی گورنمنٹ کو ظالم اور نادرست ہو جاؤ، نہ کہوں تو کیا "عادل" اور نہ درست ہو کہوں۔

نہ مٹو کہوں۔ کیا یہ صرف اس لئے کہ ظالم طاقتور ہے اور اس کے پاس جیل ہے، اس کا حقدار ہو جاتا ہے کہ اس کا نام بدل دیا جائے؟ میں اٹلی کے نیک حریت پرست جوزف میزی کی زبان میں کہوں گا کہ ہم صرف اس لئے کہ، تمہارے ساتھ عارضی طاقت ہے تمہاری برائیوں سے انکار نہیں کر سکتے۔

"جرم" کا قدیم اور ناقابل شمار ارتکاب

(۱۲) میں نہایت متعجب ہوں کہ میرے خلاف صرف یہی دو نا تمام اور ناکافی تقریریں کیوں پیش کی گئی ہیں کیا ان ہزاروں صفحات سے جو میرے قلم سے نکل چکے ہیں اور ان بے شمار تقریروں کی جن کی صدائیں ہندوستان کے ایک ایک کونے میں گونج چکی ہیں۔ صرف یہی سرمایا گورنمنٹ بہم پہنچا سکی۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ میری کوئی تقریر گزشتہ دو سال کے اندر ایسی نہیں ہوئی جس میں میں نے یہ تمام باتیں بیان کی ہیں۔

میں مسلسل بارہ سال سے اپنی قوم و ملک کو آزادی و حق طلبی کی تعلیم دے رہا ہوں میری ۱۸ برس کی عمر تھی۔ جب میں نے اس راہ میں تقریر و تحریر شروع کی ہیں۔ میں نے زندگی کا بہترین حصہ یعنی عہد شباب اسی مقصد کے عشق میں قربان کر دیا۔ میں اسی کی خاطر چار سال تک نظر بند رہا۔ مگر نظر بندی میں بھی میرا ہر صبح و شام اس کی تعلیم و تبلیغ میں بسر ہوئی۔ رانچی کے در و دیوار اس کی شہادت دے سکتے ہیں جہاں میں نے نظر بندی کا زمانہ بسر کیا۔ یہ تو میری زندگی کا دائمی مقصد ہے میں صرف اسی ایک کام کے لیے جی سکتا ہوں۔ ان صلاتی ونسکی ومحیای ومماتی للّٰہ رب العالمین۔

آخری اسلامی تحریک

(۱۴۲) میں اس جرم سے کیونکر انکار کر سکتا ہوں کہ جب کہ میں ہندوستان کی اس آخری "اسلامی تحریک" کا داعی ہوں جس نے مسلمانان ہند کے پولیٹیکل مسلک میں ایک نظر انقلاب عظیم پیدا کر دیا، اور بالآخر وہاں تک پہنچا دیا جہاں آج نظر آ رہے ہیں یعنی ان میں سے ہر فرد میرے اس جرم میں شریک ہو گیا ہے۔ میں نے ۱۲-۱۹ء میں ایک اردو جرنل "الہلال" نے تین سال کے اندر مسلمانان ہند کی مذہبی اور سیاسی حالت میں ایک بالکل نئی حرکت پیدا کر دی۔ پہلے وہ اپنے ہندو بھائیوں کی پولیٹیکل سرگرمیوں سے الگ تھے بلکہ اس کی مخالفت کے لئے بیوروکریسی کے ہاتھ میں ایک ہتھیار کی طرح کام دیتے تھے گورنمنٹ کے تفرقہ انداز پالیسی نے انہیں اس فریب میں مبتلا کر رکھا تھا کہ ملک میں ہندوؤں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہندوستان اگر آزاد ہو گیا تو ہندوؤں کی گورنمنٹ قائم ہو جائے گی۔ مگر الہلال نے مسلمانوں کی تعداد کی جگہ ایمان پر اعتماد کرنے کی تلقین کی اور بے خوف ہو کر ہندوؤں کے ساتھ مل جانے کی دعوت دی اسی سے وہ تبدیلیاں رونما ہوئیں جس کا نتیجہ آج متحدہ تحریک خلافت و سوراج ہے۔ بیوروکریسی ایک ایسی تحریک کو زیادہ عرصہ تک برداشت نہیں کر سکتی تھی۔ اس لئے پہلے "الہلال" کی ضمانت ضبط کی گئی پھر جب "البلاغ" کے نام سے دوبارہ جاری کیا گیا تو

۱۹۱۶ء میں گورنمنٹ آف انڈیا نے مجھے نظر بند کر دیا۔
میں بتلانا چاہتا ہوں کہ "الہلال" میں تمام تر "آزادی یا موت" کی دعوت دی تھی اسلام کی مذہبی تعلیمات کے متعلق اس نے جس مسلک بحث و نظر کی بنیاد ڈالی اس کا ذکر یہاں غیر ضروری ہے صرف اس قدر اشارہ کروں گا کہ ہندوؤں میں آج مہاتما گاندھی مذہبی زندگی کی جو روح پیدا کر رہے ہیں "الہلال" اس کام سے ۱۹۱۲ء میں فارغ ہو چکا تھا۔ یہ ایک عجیب اتفاق ہے کہ مسلمانوں اور ہندوؤں کی نئی اور طاقت ور سر گرمی اسی وقت شروع ہوئی جب دونوں میں مغربی تہذیب کی جگہ مذہبی تعلیم کی تحریکوں نے پوری طرح فروغ پا لیا۔

خلافت کانفرنس کلکتہ

(۴) سال مسلسل کے بعد پہلی جنوری ۱۹۲۰ء کو میں رہا کیا گیا۔ اس وقت سے گرفتاری کے لمحے تک میرا تمام وقت انہی مقاصد کی اشاعت و تبلیغ میں صرف ہوا ہے۔ ۲۸، ۲۹ فروری ۱۹۲۰ء کو اسی کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں خلافت کانفرنس کا جلسہ ہوا تھا اور مسلمانوں نے مایوس ہو کر اپنا آخری اعلان کر دیا تھا کہ اگر برٹش گورنمنٹ نے مطالبات خلافت کی اب بھی سماعت نہ کی تو مسلمان اپنے شرعی احکام کی رو سے مجبور ہو جائیں گے تمام وفادارانہ تعلقات منقطع کر لیں میں اس کانفرنس کا پریذیڈنٹ تھا

میں نے اس کے طولانی پریذیڈنشل میں وہ تمام امور بہ تفصیل بیان کر دیئے تھے جو اس قدر ناقص شکل میں ان دو تقریروں کے اندر دکھلائے گئے ہیں۔

موالات اور فوجی ملازمت

میں نے اسی ایڈریس میں اسلامی حکم کی بھی تشریح کر دی تھی جس کی بنا پر مسلمانوں کا مذہبی فرض ہے کہ موجودہ حالات میں گورنمنٹ سے "ترک موالات کریں" یعنی کوآپریشن اور اعانت سے ہاتھ کھینچ لیں "یہی ترک موالات" ہے جو آگے چل کر "نان کوآپریشن کی شکل میں نمودار ہوا۔ اور مہاتما گاندھی جی نے اس کی سربراہی کی اس کانفرنس میں فوج کے متعلق وہ ریزولیوشن منظور ہوا تھا جس میں اسلامی قانون کے بموجب مسلمانوں کے لیے فوجی نوکری ناجائز بتلائی گئی تھی۔ کیوں کہ گورنمنٹ اسلامی خلافت اور اسلامی ملکوں کے خلاف برسرپیکار ہے رانچی کا مقدمہ اسی ریزولیوشن کی بنا پر چلایا گیا۔ میں بار بار تقریروں میں اعلان کر چکا ہوں کہ یہ ریزولیوشن سب سے پہلے کلکتہ میں پھر بریلی اور لاہور میں بھی میری صدارت میں تین مرتبہ منظور ہوا سب سے پہلے کلکتہ میں پھر بریلی اور لاہور میں پس اس جرم کی تعزیر کا بھی پہلا حقدار میں ہی ہوں میں نے اس ایڈریس کو مزید اضافہ کے بعد کتاب کی شکل میں بھی مرتب کیا۔ جو انگریزی ترجمہ کے ساتھ بار بار شائع ہو چکا ہے۔ اور گویا میرے جرم کا ایک تحریری ریکارڈ ہے۔

میری زندگی سر تا سر ۱۲۴ الف ہے

(۱۵) میں نے گزشتہ دو سال کے اندر نہرو اور مہاتما گاندھی کے ساتھ تمام ہندوستان کا بار بار دورہ کیا کوئی شہر ایسا نہیں جہاں میں نے خلافت پنجاب سوراج اور نان کوآپریشن پر بار بار تقریریں نہ کی ہوں اور وہ تمام باتیں نہ کہی ہوں جو میری ان دو تقریروں میں دکھلائی گئی ہیں۔

دسمبر ۱۹۲۰ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے ساتھ آل انڈیا خلافت کانفرنس کا بھی اجلاس ہوا ۱۹۲۱ء میں جمعیتہ علماء کا بریلی میں جلسہ ہوا۔ گزشتہ اکتوبر میں یو۔ پی پراونشل خلافت کانفرنس آگرہ میں منعقد ہوئی۔ نومبر میں آل انڈیا علماء کانفرنس کا لاہور میں اجلاس ہوا ان تمام کانفرنسوں کا بھی میں ہی صدر تھا۔ لیکن ان میں بھی تمام مقررین نے جو کچھ کہا اور صدارتی تقریروں میں میں نے جو خیالات ظاہر کئے ان سب میں وہ تمام باتیں موجود تھیں جو ان دو تقریروں میں دکھلائی گئی ہیں بلکہ میں اقرار کرتا ہوں کہ ان سے بہت زیادہ قطعی واضح خیالات ظاہر کئے گئے تھے۔

اگر میری دو تقریروں کے مطالب دفعہ ۱۲۴ الف کا جرم ہیں تو میں نہیں سمجھتا کہ پہلی اور پندرھویں جولائی کا ارتکاب کیوں منتخب کیا گیا ہے! میں تو اس کثرت کے ساتھ اس کا ارتکاب کر چکا ہوں کہ فی الواقع اس کا شمار میرے لئے ناممکن ہو گیا ہے مجھے کہنا پڑے گا کہ میں نے گزشتہ سالوں

گئے اندر بجز ۱۲۴۔ الف کے اور کوئی کام نہیں کیا ہے۔

نوان وایلنس نوان کوآپریشن

(۱۶) ہم نے آزادی اور حق طلبی کی اس جنگ میں نان وایلنس نوان کوآپریشن کی راہ اختیار کی ہے۔ ہمارے مقابلے میں طاقت اپنے تمام جبر و تشدد اور خونریز وسائل کے ساتھ کھڑی ہے۔ لیکن ہمارا اعتقاد صرف خدا پر ہے اور اپنی غیر مختتم قربانی اور غیر متزلزل استقامت پر مہاتما گاندھی کی طرح میرا یہ اعتقاد نہیں ہے کہ حال میں بھی ہتھیار کا مقابلہ ہتھیار سے نہ کرنا چاہیئے۔ اسلام نے جن حالتوں میں اس کی اجازت دی ہے میں اسے فطرت الٰہی اور عدل و اخلاق کے مطابق یقین کرتا ہوں۔ لیکن ساتھ ہی ہندوستان کی آزادی اور موجودہ جدوجہد کے لئے مہاتما گاندھی کے دلائل سے متفق ہوں اور ان تمام دلائل کی سچائی پر پورا اعتقاد رکھتا ہوں۔ میرا یقین ہے کہ ہندوستان نان وایلنس جدوجہد کے ذریعہ فتح مند ہوگا۔ اور اس کی فتحمندی اخلاقی و ایمانی طاقت کی فتحمندی کی ایک یادگار مثال ہوگی۔

یہی وجہ ہے کہ میں نے ہمیشہ لوگوں کو باامن جدوجہد کی تلقین کی اور اس کو کامیابی کی سب سے پہلی شرط قرار دیا۔ خود یہ تقریریں بھی اسی موزوں پر تھیں۔ جیسا کہ پیش کردہ نقول سے بھی ثابت ہوتا ہے میں ان چند مسلمانوں میں سے ہوں جو بجا طور پر یہ کہہ سکتے ہیں اگر انہوں نے

کہا ہے مضبوطی کے ساتھ مسلمانوں کو پا امن جد وجہد پر قائم نہ رکھا ہوتا تو نہیں معلوم مسئلہ خلافت کی وجہ سے ان کا صبر آزما اضطراب کیسی خوفناک شکل اختیار کر لیتا کم از کم ہندوستان کے ہر حصے میں ایک "الیبار" کا سنظر تو ضرور نظر آجاتا۔

سی، آئی، ڈی کے رپوٹرز

(۱۷) اب جب کہ میں ان دو تقریروں کے تمام ان حصوں کا اقرار کر چکا ہوں جن سے پراسیکیوشن استدلال کر سکتا ہے تو کوئی مضائقہ نہیں اگر چند الفاظ ان کی پیش کردہ رپورٹ کی نسبت بھی کہدوں۔

سی۔ آئی۔ ڈی کے گواہوں نے بیان کیا ہے کہ میری تقریروں کے نوٹس بھی لئے گئے اور مختصر نویسی کے ذریعہ بھی قلمبند کی گئیں۔ جو کاپی داخل کی گئی ہے۔ اگر اپیٹ ۱۷۔ اور، سی، وہ مختصر نویسی کی مرتب کی ہوئی ہے۔ لیکن یہ میری تقریروں کی ایک ایسی مسنخ شدہ صورت ہے۔ اگر چند ناموں اور واقعات کی طرف اشارہ نہ ہوتا تو میرے لئے شناخت کرنا بھی مشکل تھا۔ بلاشبہ ایک چیز ہے جو دور تک پھیلتی چلی گئی ہے۔ لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ کیا چیز ہے۔ محض بے جوڑ بے تعلق اور اکثر مقامات پر بے معنی جملے ہیں جو بغیر کسی ربط اور سلسلہ کے صفحوں پر بکھیر دیئے گئے ہیں، گرامر اور محاورہ دونوں سے انہیں یک قلم انکار ہے۔ صاف معلوم ہوتا ہے کہ رپوٹر زتقریر سمجھنے اور قلم بند کرنے سے عاجز تھا اس لئے درمیان سے جملوں

کے جملے چھوڑتا جاتا ہے۔ اور تمام حروف ربط و تعلیل تو بالکل ہی حذف کر دیئے ہیں۔ اس سے بھی بڑھ کر وہ الفاظ جن کی آواز یا اسپیلنگ (املا) میں ذرا سا بھی تشابہ ہے، بالکل ہی بدل گئے ہیں۔ اور عبارت یا تو بے معنی ہو گئی ہے یا محرف۔

مثلاً میں نے یحییٰ ایاز کی تقریر میں مشہور فرنچ شاعر اور ادیب ہیگو کا قول نقل کیا تھا۔

آزادی کا پیج کبھی بار آور نہیں ہو سکتا جب تک ظلم کے پانی سے اس کی آبیاری نہ ہو۔

مختصر نویس نے "ظلم" کی جگہ "حرم" لکھ دیا ہے۔ جو صریح غلط اور بے موقعہ ہے۔ البتہ اس کی آواز ظلم سے مشابہ ہے۔

اسی طرح ایک مقام پر ہے:

"انہوں نے جیل خانے کی مصیبت کو برباد کیا ہے"

"حالانکہ مصیبت کو برباد کرنے کے کوئی معنی نہیں ہو سکتے، غالباً میں نے "برداشت کیا ہے" کہا ہو گا۔

یعنی انہوں نے جیل کی مصیبت جھیل لی ہے۔ چونکہ دونوں لفظوں کی آواز ملتی جلتی ہے اور مختصر نویس خود فہم اور امتیاز سے محروم ہے۔ اس لیے برداشت کی جگہ برباد لکھ گیا۔

اردو مختصر نویسی

اصل یہ ہے کہ اردو مختصر نویسی کا قاعدہ اور مختصر نویس کی قابلیت دونوں ان نقائص کے لئے ذمہ دار ہیں۔

اردو مختصر نویسی کا قاعدہ ۱۹۰۵ء میں کرسچن کالج لکھنؤ کے دو پروفیسروں نے ایجاد کیا جن میں سے ایک کا نام مرزا احمد ہادی۔ بی اے ہے۔ میں اس وقت لکھنؤ ہی میں تھا۔ اس لئے مجھے ذاتی طور پر اسے دیکھنے اور موجدوں نے انگریزی علامات کو بہت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ منتقل کر لیا ہے۔ لیکن وہ اردو حروف (املا) کو پوری طرح محفوظ کر دینے میں کامیاب نہ ہوسکے۔ خود انہیں بھی اس نقص کا اعتراف تھا لیکن وہ خیال کرتے تھے کہ مختصر نویس کی ذاتی قابلیت اور حافظہ و مناسبت سے اس کی تلافی ہو جائے گی میں اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر کہتا ہوں کہ تجربہ سے ان کا خیال درست نہ نکلا۔

صوبہ جات متحدہ کی گورنمنٹ نے ابتدائی تجربے کے لئے دو پولیس انسپکٹروں کو تعلیم دلائی تھی۔ انہوں نے سب سے پہلے آزمائشی طور پر جن پبلک تقریروں کو قلم بند کیا۔ میں بتلانا نہیں چاہتا ہوں کہ وہ میری اور شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی مرحوم کی تقریریں تھیں۔ ہم دونوں نے انجمن اسلامیہ ہردوئی کے سالانہ جلسے میں لیکچر دیئے تھے۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے مولانا شبلی نے فی منٹ ساٹھ لفظوں کی رفتار سے تقریر کی تھی

اور میری تقریر فی منٹ ۷۰ سے ۹۰ تک جیساکہ خود مختصر نویسوں نے ظاہر کیا ہے۔ ظاہر ہے کوئی تیز رفتاری نہ تھی تاہم جب انہوں نے اپنا کام مرتب کر کے دکھلایا تو بالکل ناقص اور غلط تھا۔ اس کے بعد بھی مجھے بارہا اپنی تقریروں کے قلم بند کرانے کا اتفاق ہوا۔ لیکن ہمیشہ ایسا ہی نتیجہ نکلا۔ ابھی حال کی بات ہے خلافت کانفرنس آگرہ میں میرا زبانی پریذیڈنشل ایڈریس ایک مشاق مختصر نویس سید غلام حسین نے قلمبند کیا جو عرصہ تک یو۔پی کے محکمہ سی۔آئی۔ڈی میں کام کرنے کے بعد مستعفی ہوئے تھے۔ لیکن جب لانگ ہینڈ میں مرتب کر کے مجھے دکھلایا گیا تو اس کا کوئی حصہ صحیح اور مکمل نہ تھا۔ یہ اصل قاعدہ کا نقص ہے۔ لیکن جب اس پر مختصر نویس کی ناقابلیت کا بھی اضافہ ہو جائے تو پھر کوئی خرابی ایسی نہیں ہے جس سے انسانی تقریر مسخ نہ کی جا سکے۔ کلکتہ اور بنگال کی مخصوص حالت نے اس نقص کو اور زیادہ پر مصیبت بنا دیا ہے۔ یہاں کے دیسی اور یورپین افسر خود اردو زبان سے بالکل واقفیت نہیں رکھتے۔ حتیٰ کہ معمولی طور پر بول بھی نہیں سکتے ان کے نزدیک ہر وہ آدمی جو انگریزی زبان سے کسی مختلف لہجے میں آواز نکالے اور اردو کا اس کا لر ہے۔ نتیجہ یہ ہے کہ پولیس اور عدالت ان رپورٹروں اور مختصر نویسوں کو بطور سند کے استعمال کر رہی ہے جن سے بیچاروں کی استبدادیہ ہمیشہ ہم لوگ تمسخر کیا کرتے ہیں۔

میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ کلکتہ کی پولیس اور عدالتوں میں ایک شخص بھی اردو زبان کے لئے قابل اعتماد نہیں ہے۔ اگر یہاں اس

حقیقت کا کچھ بھی احساس ہوتا تو صرف یہی بات بطور ایک عجیب واقعہ کے خیال کی جاتی کہ میری تقریروں کے لئے پولیس اور سی آئی۔ڈی کے غریب رپورٹروں کی شہادت کی جارہی ہے۔ میں تسلیم کرتا ہوں کہ کم از کم یہ منظر ضرور میرے لئے تکلیف دہ ہے۔

مشرقی لٹریچر اور سرکاری وسائل کا علم

یہ کہنا ضروری نہیں کہ میں اپنے ڈیفنس کی غرض سے ان شہادتوں کی بے اعتمادی ثابت نہیں کررہا ہوں۔ میں تو پورا پورا اقرار کرچکا ہوں مقصود صرف دو باتوں کا اظہار ہے۔

اولاً جو سرکاری مقدمات اردو تقریر و تحریر کی بنا پر چلائے جاتے ان کے وسائل ثبوت کس درجہ ناکارہ اور ناقابل اعتماد ہیں۔

ثانیاً ہندوستان کو بیوروکریسی کی ناکامیابی اور ناموافقت وہ ڈیڑھ سو برس تک حکومت کر کے بھی اس قابل نہیں ہوئی کہ ہندوستانی زبانوں کے متعلق صحیح اور مستند ذرائع سے معلومات حاصل کر سکتی۔ مجھے یاد ہے کہ جب میں اکتوبر ۱۹۱۶ء میں نظر بند کیا گیا اور بہار گورنمنٹ کے حکام اور پولیس افسر جن کو اردو زبان سے بامقابلہ بنگال زیادہ تعلق ہے۔ تلاشی کے لئے آئے تو انہوں نے میری تمام کتابوں کو بھی ایک خوفناک لٹریچر سمجھ کر نہایت احتیاط کے ساتھ قبضے میں کرلیا۔ یہ تمام کتابیں عربی اور فارسی زبان میں تھیں اور تاریخ فقہ،

فلسفہ کا معمولی مطبوعہ ذخیرہ تھا جو بازاروں میں فروخت ہوتا رہتا تھا صرف ایک کتاب مطالب عالیہ ناتی قلمی تھی جو سب سے زیادہ پر اسرار سمجھی گئی۔

لطف یہ ہے کہ ان کی فہرست ڈپٹی کمیشنر کی درخواست پر مجھے ہی مرتب کرنی پڑی کیونکہ تفتیش جرائم کے اس پورے کمیشن میں ایک شخص بھی اس قابل نہ تھا کہ کتاب کے ٹائیٹل پیج کو صحت کے ساتھ پڑھ لیتا۔

میں نے نظر بندی کے زمانے میں چار سال تک اپنی ڈاک کے لئے خود ہی سنسرشپ کے فرائض انجام دیئے ہیں کیونکہ جو سرکاری افسر اس غرض سے مقرر کیا گیا تھا وہ اس قدر قابل آدمی تھا کہ اردو کے معمولی لکھے خطوط بھی نہیں پڑھ سکتا تھا وہ اکثر میری ڈاک صرف دستخط کر کے بھیج دیتا اور شب کو آکر مجھ سے اس کا ترجمہ لکھوا لیتا۔

جب کہ نظر بندی میں میں اپنی ڈاک کی خود نگرانی کر رہا تھا تو شملہ اور دہلی کے حکام اپنی کارفرمائی پر نہایت نازاں تھے اور سمجھتے تھے کہ انہوں نے اپنے ایک خطرناک دشمن کو بالکل مجبور و معطل کر دیا ہے۔

اس وقت بھی میرے قلمی مسودات کلکتہ پولیس کے قبضہ میں ہیں ان میں سب سے زیادہ خوفناک جرم تاریخ تفسیر قرآن اور لٹریچر ہے!

میں یہاں عربی داں اشخاص کی دلچسپی کے لئے ان کتابوں کے چند نام درج کر دیتا ہوں جنہیں پولیس نے نہایت خوفناک سمجھ کر شملہ بھیجا تھا اور عرصہ تک سر چارلیس کلیو لینڈ کے حکم سے میری نظر بندی کے دیگر معاملات کی طرح ان کی بھی تحقیقات ہوتی رہی۔

فتح القدیر شرح ہدایت طبقات الشافیہ .... ازالیہ التحفار کتاب الام موتہ امام مالک، مطالب عالیہ۔ امام رازی۔ شرح حکمتہ الاشراق۔ شرح مسلم الثبوت بحرالعلوم کتاب مستصفیٰ، کتاب اللغ۔

اصل یہ ہے کہ کسی جرم کے لئے جو لٹریچر سے تعلق رکھتا ہو کوئی ایسی عدالت منصفانہ کارروائی نہیں کر سکتی جو ذاتی طور پر رائے قائم نہ کر سکے، یعنی خود اس زبان سے واقف نہ ہو۔ لیکن موجودہ بیوروکریسی، علاوہ بیوروکریسی ہونے کے غیر بھی ہے۔ اس لئے ہر گوشہ میں اجنبی اقتدار کی غلامی کے نتائج کام کر رہے ہیں اور ہندوستانیوں کے لئے ہیں ان کی زبان جزیرہ برطانیہ کی ہے۔ اور اکثر حالتوں میں ایسے افراد سے مرکب ہیں جو ملکی زبان کا ایک لفظ نہیں جانتے۔

یہی وجہ ہے کہ اب ہم اس گورنمنٹ سے اور کچھ نہیں چاہتے صرف یہ چاہتے ہیں کہ جس قدر بھی جلد ممکن ہو وہ اپنے سے بہتر اور حقدار کے لئے اپنی جگہ خالی کر دے۔

موجودہ حالت قدرتی ہے

(۱۸) میں جیسا کہ ابتدا میں لکھ چکا ہوں، خاتمہ سخن میں بھی دہراؤں گا آج گورنمنٹ جو کچھ بھی ہمارے ساتھ کر رہی ہے وہ کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے جس کے لئے خاص طور پر اسے ملامت کی جائے۔ قومی بیداری کے مقابلے میں مقاومت اور جبر و تشدد تمام قابض حکومتوں کے لئے طبیعت ثانیہ

(سیکنڈ بچر) کا حکم رکھتا ہے اور ہمیں یہ توقع نہیں رکھنی چاہیئے کہ ہماری خاطر انسانی طبیعت بدل دی جائیگی یہ قدرتی کمزوری اور افراد اور جماعت دونوں میں یکساں طور پر نمودار رکھتی ہے دنیا میں کتنے ہی آدمی ہیں جو اپنے قبضہ میں آئی چیز صرف اس لئے لوٹا دیں گے وہ اس کے حقدار نہیں؟ پھر ایک پورے براعظم کے لئے ایسی امید کیوں کر کی جاسکتی ہے طاقت کبھی کسی بات کو صرف اس لئے نہیں مان لیتی کہ وہ معقول اور مدلل ہے۔ وہ تو خود بھی طاقت کے نمود کا انتظار کرتی ہے اور جب وہ نمودار ہو جاتی ہے تو پھر ناواجب سے ناواجب مطالبہ کے آگے بھی جھک جاتی ہے۔ پس کشمکش اور انتظار ناگزیر ہے اور ایک ایسی قدرتی بات ہے جس کو بالکل دنیا کے معمولی روزمرہ کاموں کی طرح بلا کسی تعجب و شکایت کے انجام پانا چاہیئے۔

میں یہ بھی تسلیم کرتا ہوں کہ تاریخ نے اس بارے میں انسانی ظلم و تعدی کے جو ہیبت ناک منظر دکھائے ہیں ان کے مقابلہ میں موجودہ جبر و تشدد کسی طرح بھی زیادہ نہیں کہا جاسکتا۔

البتہ میں نہیں کہہ سکتا کہ یہ کمی اس لئے ہے کہ ابھی ملک کا جذبۂ قربانی، ناتمام ہے یا اس لئے ہے کہ ظلم زیادہ مکمل نہیں۔ مستقبل اس کو واضح کردے گا۔

جس طرح اس کشمکش کا آغاز ہمیشہ یکساں طور پر ہوا ہے اسی طرح خاتمہ بھی ایک ہی طرح ہوا ہے ہمیں معلوم ہے کہ اگر ہمارا جذبۂ آزادی وحق طلبی سچا اور اٹل ثابت ہوا تو یہی گورنمنٹ جو آج ہمیں مجرم ٹھہرا رہی ہے کل کو فتح مند محب الوطنوں کی طرح ہمارے استقبال پر مجبور ہوگی۔

بغاوت

(۱۹) مجھ پر سڈیشن کا الزام عاید کیا گیا ہے، لیکن مجھے بغاوت کے معنی سمجھ لینے دو کیا بغاوت آزادی کی اس جد و جہد کو کہتے ہیں جو ابھی کامیاب نہیں ہوئی ہے اگر ایسا ہو تو میں اقرار کرتا ہوں لیکن ساتھ ہی یاد دلاتا ہوں کہ اس کا نام قابل احترام حب الوطنی بھی ہے جب وہ کامیاب ہو جائے۔ کل تک آئرلینڈ کے مسلح لیڈر باغی تھے۔ لیکن آج ڈی ویلرا اور گریفتھ کے لئے برطانیہ عظمیٰ کونسا لقب تجویز کرتا ہے۔

اسی آئرلینڈ کے پارنل (PARNAL) نے ایک مرتبہ کہا تھا، ہمارا کام ہمیشہ ابتدا میں بغاوت اور آخر میں حب الوطنی کے مقدس جنگ تسلیم کیا گیا ہے۔

قانون فصنار بالحق

(۲۰) میں مسلمان ہوں اور میرے یقین کے لئے وہ بس کرتا ہے جو میری کتاب شریعت نے بتلایا ہے قرآن کہتا ہے جس طرح مادہ اور اجسام میں انتخاب طبیعی اور بقائے اصلح کا قانون جاری ہے اور فطرت صرف اسی وجود کو باقی رہنے دیتی ہے جو صالح و اصلح ہو۔

ٹھیک اسی طرح تمام عقائد و اعمال میں بھی یہی قانون کام کر رہا ہے آخری

فتح اسی عمل کی ہوتی ہے۔ جو حق اور سچ ہو اور اس لئے باقی اور قائم رہنے کا حقدار ہو پس جب کبھی انصاف اور ناانصافی میں مقابلہ ہوگا تو آخری جیت انصاف ہی کے حصّہ میں آئے گی۔ وما ینفع الناس فیمکث فی الارض کذلک یضرب اللہ الامثال (۱۳، ۱۴) زمین پر وہی چیز باقی رہے گی جو نافع ہو، غیر نافع چھانٹ دی جائے گی۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کی اصطلاح میں سچائی کا نام حق ہے جس کے معنی جم جانے اور ثابت ہونے کی ہیں، اور جھوٹ اور بدی کا نام باطل ہے جس کے معنی ہی مٹ جانے کے ہیں۔ ان الباطل کان زھوقا" باطل تو صرف اسی لئے ہے کہ مٹ جائے۔

پس آج جو کچھ ہو رہا ہے اس کا فیصلہ کل ہوگا۔ انصاف باقی رہیگا ناانصافی مٹا دی جائے گی۔ ہم مستقبل کے فیصلے پر ایمان رکھتے ہیں۔

البتہ یہ قدرتی بات ہے کہ بدلیوں کو دیکھ کر بارش کا انتظار کیا جائے ہم دیکھ رہے ہیں کہ موسم نے تبدیلی کی تمام نشانیاں قبول کرلی ہیں۔ افسوس ان آنکھوں پر جو نشانیوں سے انکار کریں۔

میں نے اپنی تقریروں میں جو میرے خلاف داخل کی گئی ہیں کہا تھا آزادی کا بیج کبھی بار آور نہیں ہو سکتا۔ جب تک جبر و تشدد کے پانی سے اس کی آبیاری نہ ہو۔

"لیکن گورنمنٹ نے آبیاری شروع کر دی ہے"

میں نے انہی میں کہا تھا۔ مبا خین خلافت کی گرفتاری پر کیوں مغموم

ہوں اگر تم فی الحقیقت انصاف اور آزادی کے طلبگار ہو تو جیل جانے کے لئے
تیار ہو جائے۔

علی پور کا جیل اسی طرح بھر جائے کہ اس کی کوٹھریوں میں چوروں کے لئے
جگہ باقی نہ رہے۔

فی الحقیقت جگہ باقی نہیں رہی ہے۔ پردیسی ڈنسی اور سینٹرل جیل کا
بڑا حصہ معمولی قیدیوں سے خالی کر دیا گیا۔ پھر بھی جگہ کافی نہ ہوئی نیا جیل
بنایا گیا وہ بھی آناً فاناً بھر گیا۔ جگہ نکالنے کے لئے سیکڑوں قیدی رہا کر دیئے
گئے۔ لیکن ان سے دوگنے نئے آ گئے۔ لیکن ان سے دوگنے نئے آ گئے۔ اب مزید
نئے جیل بنانے جا رہے ہیں!

سرکاری وکیل، پولیس اور مجسٹریٹ

(۲۱) قبل اس کے کہ میں اپنا بیان ختم کروں، اپنے ہم وطن بھائیوں کی نسبت
بھی ایک دو جملے کہوں گا۔ جو اس مقدمے میں میرے خلاف کام کر رہے ہیں۔
میں نے اوپر کہا ہے کہ سی۔ آئی۔ ڈی کا کام جہالت اور شرارت دونوں مرکب
ہوتا ہے۔ یہ میں نے اس ذاتی علم کی بنا پر کہا۔ جو بے شمار مقدمات کی نسبت
مجھے حاصل ہے تاہم میں تسلیم کرتا ہوں کہ سی آئی ڈی کے جن آدمیوں نے
شہادت دی ہے انہوں نے اس اعتماد کے سوا جو اپنے کام پر ظاہر کیا ہے
کوئی بات بھی غلط نہیں کہی ہے۔

میری تقریریں جو پیش کی گئی ہیں۔ ان میں بھی کوئی بات شرارت کی نہیں پاتا جس قدر، اُن کے اغلاط اور نقائص ہیں غالباً صرف ناقابلیت کا نتیجہ ہیں ایک دو مقدمات ایسے ہیں جن کی نسبت خیال کیا جا سکتا ہے کہ دانستہ خراب کر کے دکھلائے ہیں۔ مثلاً جہاں جہاں میں نے لوگوں کو با امن رہنے، ہڑتال نہ کرنے کی ہر طرح کے مظاہرات سے مجتنب رہنے کی تلقین کی ہے۔ وہ بقیہ حصوں سے بھی زیادہ اُلجھے ہوئے اور بے ربط ہے متعدد مقامات "پر امن" کو "ایمان" کر دیا ہے جو وہاں بالکل بے ربط ہے۔ تاہم میں سمجھتا ہوں کہ یہ بھی قاعدہ ہے کہ نقص اور ناقابلیت کی وجہ سے ہے نہ کہ شرارت سے۔

البتہ میرا یقین ہے کہ انہوں نے اپنے کام پر جو اعتماد ظاہر کیا ہے۔ اور جس غرض سے یہ کام انجام دیا ہے وہ ضرور معصیت ہے لیکن ساتھ ہی مجھے ان کی گرفتاری بھی معلوم ہے وہ محض چند روپوؤں نوکری کی وجہ سے ایسا کر رہے ہیں تمیز نہیں رکھتے کہ سچائی کو ہر بات پر ترجیح دیں۔ پس میرے دل میں ان کے لئے کوئی رنج و ملامت نہیں ہے میں اس کام کے لئے انہیں معاف کرتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خدا بھی معاف کر دے۔

پبلک پراسیکیوٹر بھی جو ان مقامات میں کام کر رہا ہے۔ میرا ایک ہم وطن بھائی ہے اس کا ضمیر یارا ے میرے سامنے نہیں ہے۔ محض مزدوری ہے جو اس کام کے لئے گورنمنٹ سے حاصل کرتا ہے پس اس کی طرف سے بھی میرے دل میں کوئی رنج نہیں۔ البتہ میں ان سب کے لئے یہی دعا مانگوں گا جو پیغمبر اسلام نے ایک موقع پر مانگی تھی! خدایا ان پر راہ کھول دے کیوں کہ

یہ نہیں جانتے کہ کیا کر رہے ہیں۔

فاقص مامانت قاص

میں مجسٹریٹ کی نسبت بھی کچھ کہنا چاہتا ہوں۔ زیادہ سے زیادہ سزا جو اس کے اختیار میں ہے بلا تامل مجھے دیدے مجھے شکایت یا رنج کا کوئی احساس نہ ہوگا میرا معاملہ پوری مشینری سے کسی ایک پرزے سے نہیں ہے میں جانتا ہوں کہ جب تک مشین نہیں بدلے گی پرزے اپنا فعل نہیں بدل سکتے۔

میں اپنا بیان اٹلی کے قتیل کارڈینیز بررنو کے لفظوں پر ختم کرتا ہوں جو میری ہی طرح عدالت کے سامنے کھڑا کیا گیا تھا۔

زیادہ سے زیادہ سزا دی جا سکتی ہے۔ بلا تامل وجود میں یقین دلاتا ہوں کہ سزا کا حکم لکھتے ہوئے، جنبش تمہارے دل میں پیدا ہو گئی اس کا عشر عشیر اضطراب بھی سزا سن کر میرے دل کو نہ ہوگا۔

خاتمہ

مسٹر مجسٹریٹ اب میں زیادہ وقت کورٹ کا نہ لوں گا۔ یہ تاریخ کا ایک دلچسپ اور عبرت انگیز باب ہے جس کی ترتیب میں ہم دونوں یکساں طور پر مشغول رہتے ہیں ہمارے حصہ میں مجرموں کا یہ کٹہرا آیا ہے، تمہارے حصہ میں وہ مجسٹریٹ کی

کرسی میں تسلیم کرتا ہوں کہ اس کام کے لئے وہ کرسی بھی اتنی ہی ضروری چیز جس قدر یہ کٹہرا آؤ۔ اس یادگار اور افسانہ بننے والے کام کو جلد ختم کر دیں۔ مورخ ہمارے انتظار میں ہے اور مستقبل کب سے ہمارا انتظار تک رہا ہے، ہمیں جلد جلد یہاں آنے دو۔ اور تم بھی جلد جلد فیصلہ لکھتے رہو ابھی دنوں تک یہ کام جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ ایک دوسری عدالت کا دروازہ کھل جائے۔ یہ خدا کے قانون کی عدالت ہے۔ وقت اس کا جج ہے وہ فیصلہ لکھے گا۔ اور اس کا فیصلہ آخری ہوگا۔

والحمد للہ اولاً وآخراً

۲۔ جنوری سنہ ۱۹۲۲ء

پریسی ڈنسی جیل۔ علی پور کلکتہ

آخری پیشی

۹۔ فروری سنہ ۱۹۲۲ء

صرف ایک سال قید بامشقت

"یہ اس سے بہت کم ہے جس کا متوقع تھا"

(۱) ۹۔ فروری کو کوئی شخص عدالت کی کارروائی دیکھنے کے لئے نہ آئے نہ کسی طرح کا ہجوم سڑکوں پر ہو۔

(۲) یہ یقینی ہے کہ انہیں سزا کا حکم سنایا جائے گا۔ پبلک کو چاہیئے کہ پورے

صبر و سکون کے ساتھ اس کی منتظر اور متوقع رہے، کوئی ہڑتال نہیں ہونی چاہیے نہ کسی طرح کا غیر معمولی مظاہرہ کرنا چاہیے۔

(۳) لوگ جیل کی طرف بھی ہجوم نہ کریں، نہ صرف اپنی معمولی روزانہ جد و جہد جاری رکھیں اور جہاں تک ممکن ہو اس کی سرگرمی بڑھائیں۔

بعض کارکنانِ خلافت و کانگریس نے غلطی سے کارخانوں اور سرکاری محکموں میں کام کرنے والوں کو ہڑتال کرنے کے ارادے سے نہیں روکا تھا اور خاموشی اختیار کرلی تھی۔ بعد کو جب مولانا کو معلوم ہوا تو انہوں نے فوراً رکھوا دیا اور ہر جگہ یہ بات پہنچا دی گئی کہ جو شخص اس کے لیے کچھ کرنا چاہتا ہے اس کے اظہارِ محبت اور عقیدت کی صرف یہی راہ ہے کہ وہ القہر بن جائے اور جیل جانے کے لیے ہڑتال اور مظاہرے نہ صرف اصول کے خلاف ہے بلکہ مقاصد کے لیے مضر ہو۔

اگر یہ بمقام کارروائیاں اعلانیہ ہو رہی تھیں افسرانِ جیل کی موجودگی میں وہ تمام پیغامات دیئے تھے اور لکھواتے تھے اور پھر اخبارات میں بھی شائع ہو جاتے تھے۔ لیکن معلوم ہوتا ہے ارکانِ حکومت کو اطمینان نہ تھا۔

مولانا اور مسٹر داس کے مقدمات میں عدالت کی جانب سے پے در پے التوا کیا گیا۔ گورنمنٹ کا تذبذب اور اضطراب بھی برابر ظاہر ہوتا رہا نیز راونڈ ٹیبل کانفرنس کی تجویز اور نام نہاد مصالحت کی کارروائیاں بھی جاری رہیں۔ ان تمام اسباب سے پبلک کو یہ توقع ہو گئی تھی کہ شاید انہیں رہا کر دیا جائے۔ زیادہ تائید اس بات کی کلکتہ اور بنگال کی مخصوص حالت سے بھی ہوتی تھی۔ جس طرف سے مقامی گورنمنٹ کی تشویش روز بڑھتی جاتی تھی اور بار بار یہ

افواہیں مشہور کی جاتی تھیں کہ بہت جلد انہیں رہا کر دیا جائے گا۔ گورنمنٹ کی تشویش مزدوروں کی ہڑتال سے تھی علی الخصوص خضرپور کے مزدوروں اور شہر کے تمام خانساموں وغیرہ سے جو پندرہ بیس ہزار کی تعداد میں ہوٹلوں اور دیگر انگریزوں کے پرائیویٹ مکانوں میں کام کرتے ہیں ان کا ایک دن کے لئے بھی ہڑتال کرنا تمام انگریزی آبادی کی زندگی دشوار کر سکتا ہے۔ اسی طرح ڈاک کے مزدوروں کی جماعت بھی ایک ایسی جماعت بھی ایک ایسی جماعت ہے جو اگر کام چھوڑ دے تو اس کا ایک دن کے لئے بھی دوسرے آدمی نہیں چلا سکتے۔ تمام مال کی درآمد برآمد گی اسی پر موقوف ہے۔

خانساموں اور ڈاک کے مزدوروں کی باقاعدہ یونین قائم ہے۔ دونوں نے فی الواقع ہڑتال کا ارادہ کر لیا تھا ڈاک کے مزدور تو ان کی گرفتاری پر ہڑتال کر بھی چکے تھے لیکن کانگریس کمیٹی نے بہت سمجھا بجھا کر کام پر لگا دیا۔

لیکن مولانا نے ۷۔ کو ایک پیغام تمام اخبارات میں اس مضمون کا شائع کرایا کہ ان کے مقدمے کی نسبت کوئی غلط توقع نہ باندھ لیں یہ قطعی ہے کہ انہیں سزا دی جائے گی۔ لوگوں کو چاہیئے کہ پورے نظم و سکون کے ساتھ اس کے سننے کے لیئے تیار رہیں ہڑتال وغیرہ کے لیئے انہوں نے کہا کہ ہم ایک سال سے کہتے آئے ہیں کہ کامیابی اسی پر موقوف ہے کہ خاموشی کے ساتھ لوگ گرفتار ہو جائیں۔ چنانچہ ہزاروں آدمیوں نے اپنے تئیں گرفتار کرا دیا۔ اب جب ہم خود گرفتار ہوئے ہیں تو ہمیں بھی اپنے لیئے وہی پسند کرنا چاہیئے جو ہم نے دوسروں کے لیئے پسند کیا تھا۔ یہ نہایت افسوسناک غلطی ہوگی اگر

ہماری سزایابی کے لئے ہڑتالیں کی گئیں یا ہمیں چھوڑ دینے کے لئے کسی ایک ہندوستانی نے بھی کام چھوڑا۔

اس پیغام نے نہایت تعجب انگیز اثر پیدا کیا۔ جس کو خود گورنمنٹ کو بھی توقع نہ تھی۔ تمام لوگ جو جوش و اضطراب میں بے قابو ہو رہے تھے۔ پتھر کی طرح اپنی اپنی جگہ جم گئے۔ ہڑتال کا ارادہ بالکل ختم کر دیا گیا اور ۹۔ کو عدالت اور جیل میں بھی کسی طرح کا ہجوم نہیں ہوا۔

باایں ہمہ گورنمنٹ کے ارکان مطمئن نہ تھے اور دیکھ رہے تھے کہ گیارہ بجے کے بعد کیا صورت پیش آئی ہے۔ اس لئے ابھی تک جیل میں کوئی خبر نہیں دی گئی ہے کہ کارروائی کہاں ہوگی۔ کورٹ میں یا جیل میں۔ جب گیارہ بج چکے اور کسی طرح کی بھیڑ عدالت میں نہیں ہوئی تو مولانا طلب کئے گئے۔ بارہ بجے وہ پہنچے۔ اس وقت ایک مقدمہ کی کارروائی ہو رہی تھی۔ لیکن مجسٹریٹ نے عارضی طور پر اسے ملتوی کر کے مولانا کو طلب کیا اور فیصلہ سنایا۔ فیصلہ یہ تھا کہ ۱ برس قید بامشقت۔

مولانا نے فیصلہ سن کر مجسٹریٹ سے مسکراتے ہوئے کہا۔ یہ تو یہ تو اس سے بہت کم ہے جس کی مجھے توقع تھی۔ مجسٹریٹ ہنسنے لگا اور مولانا برآمدے میں واپس آ گئے۔

یہاں کورٹ انسپکٹر موجود تھا جو انہیں اپنے آفس روم میں لے گیا اور کہا کہ آپ مجھے معاف کریں گے اگر میں آپ کو چند منٹ آپ کو یہاں بٹھاؤں اور ضابطہ کی کارروائی انجام دیدوں۔ مولانا نے کہا میں یہ چند منٹ

ایک سال بامشقت میں شمار نہ کروں گا۔ یہاں اس نے سزا کے رجسٹر میں حسب قاعدہ ان کا نام ولدیت عمر حلیہ اور دستخط کا اندراج کر لیا۔ اس کے بعد وہ جیل کی گاڑی میں مسلح پولس کے ساتھ روانہ کر دیئے گئے۔

اس طرح کامل ساٹھ کے بعد یہ کہانی ختم ہو گئی اور جس شخص کو ایک دن کے لئے بھی قید کرنا گورنمنٹ کے لئے آسان نہ تھا اور ایک بغیر اس لئے ممکن نہ تھا کہ لاکھوں انسانوں کے اضطراب پر غلبہ حاصل کیا جائے وہ اس آسانی اور خاموشی کے ساتھ اس ایک برس کے لئے قید خانے بھیج دیا گیا۔ یہ فی الحقیقت نوان کو آپریشن کے ظلم و طاقت کا ایک حیرت انگیز ثبوت ہے۔

عدالت کا فیصلہ (جیسا کہ توقع تھی) نہایت مختصر ہے یہ تو استغاثہ کی تشریح کی گئی ہے نہ الزام کے اثبات کے وجوہ و دلائل بیان کئے گئے ہیں حتیٰ کہ یہ بات بھی اس سے معلوم نہیں ہو سکتی کہ ملزم نے کن الفاظ کے ذریعہ ۱۲۴ الف کا ارتکاب کیا ہے۔ اور کیوں کر اس کی تقریر میں اس دفعہ کے ماتحت آتی ہیں۔ البتہ اس امر پر زور دیا گیا ہے کہ ملزم نے تقریروں کے تمام وہ حصے تسلیم کر لئے گئے جو گورنمنٹ کے متعلق تھے۔ مگر وہ کیا ہیں؟۔

اس پر کوئی توجہ نہیں کی گئی بہتر تھا کہ سزا کی بنیاد اسی بات پر رکھدی جاتی کہ ملزم نے نہایت صفائی کے ساتھ اپنے مجرم ہونے کا بار بار اظہار کیا ہے بحالت موجودہ آزادی اور حق کا مطالبہ جرم ہے۔

نقل و ترجمہ فیصلہ عدالت

مقدمہ نمبر ۲ سنہ ۱۹۲۲ء

بنام محی الدین احمد عرف
مولانا ابوالکلام آزاد

قیصر ہند

فیصلہ

اس مقدمہ میں مولانا ابوالکلام آزاد دفعہ ۱۲۴ الف تعزیرات ہند مجرم قرار دیئے جاتے ہیں کیونکہ انہوں نے پہلی جولائی ۱۹۲۱ء کو مرزا پور اس کالر کلکتہ میں مسئلہ خلافت پنجاب اور آزادی وطن کے مضامین پر اور نیز ۱۵ جولائی ۱۹۲۱ء کو اسی مقام پر مسئلہ ترکِ موالات وغیرہ اردو میں تقریر کرتے ہوئے ایسے الفاظ استعمال کیئے جن کے ذریعہ گورنمنٹ قائم شدہ بروئے قانون کے خلاف لوگوں میں نفرت و حقارت پھیلانے کی کوشش کی۔

استغاثہ کی طرف سے جو شہادتیں پیش ہوئیں ہیں ان سے حسب ذیل واقعات ثابت ہوتے ہیں مسٹر گولڈی ڈپٹی کمیشنر پولیس اسپیشل برانچ نے یہ اطلاع پاتے ہی کہ یکم جولائی کو مرزا پور پارک میں کوئی جلسہ ہونے والا ہے اپنے اردو شارٹ ہینڈ رپورٹرز ابو اللیث محمد انسپکٹر، ایس کے گھوسال سب انسپکٹر محمد اسمٰعیل اور ایس سی کر کو جلسہ کی کارروائی اور تقریروں کے نوٹ لینے کے لئے متعیّن کیا۔

افسران مذکور جلسہ میں شریک ہوئے۔ انہوں نے تمام کارروائی اور تقریروں کے نوٹ لئے ان میں ملزم کی تقریر بھی جو اس جلسہ کے صدر تھے۔ جلسہ میں تقریباً بارہ سو آدمیوں کا اجتماع تھا۔ جلسہ کا مقصد خلافت کے تین مبلغ سعید الرحمٰن۔ اجودھیا پرشاد کی گرفتاری کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرنا تھا۔

منجملہ اور مقرروں کے ملزم نے بھی اردو میں ایک طویل تقریر کی۔ ان کی تقریروں کے نوٹ اردو شارٹ ہنڈ رپورٹر ابو اللیث محمد نے اور کچھ حصے دوسرے پولیس کے افسروں نے لئے یہ نوٹ مسٹر گولڈی کے سامنے پیش ہوئے۔ انہوں نے اپنے دستخط ثبت کر دیئے۔

ابو اللیث نے اپنے نوٹ صاف کر کے اس کی نقل مسٹر گولڈی کے پاس بھیجدی دوسرے پولیس افسروں نے بھی اسی لانگ ہنڈ نوٹ کی ایک مشترکہ رپورٹ افسر مذکور کے پاس بھیج دی تھی۔

۱۵۔ جولائی ۱۹۲۱ء کو مسٹر گولڈی نے اسی اردو شارٹ ہنڈ رپورٹر ابو اللیث محمد انسپکٹر، بی بی مکرجی سب انسپکٹر محمد اسمٰعیل اور ایس۔ کی کر کو ایک دوسرے جلسہ کی کی کارروائی ہوئی اور تقریروں کے نوٹ کے لئے متعین کیا جو اس مقام پر ہونے والا تھا۔

ملزم حاضرین جلسہ میں تھے۔ انہوں نے مذکورہ بالا خلافت کے تین مبلغین سعید الرحمٰن، جگدمبا پرشاد کی سزایابی کے خلاف اردو میں تقریر کی اور لوگوں کو اس بات کی تلقین کی اور شوق دلایا کہ

وہ بھی پیروی کریں اور جیل جائیں جلسہ میں ۱۹۔ ہزار کا مجمع تھا ابواللیث نے ملزم کی تقریر نوٹ اور اردو شارٹ ہینڈ میں لئے اور دوسرے افسروں نے کچھ حصہ لانگ ہینڈ میں لئے۔

ابواللیث نے اپنا نوٹ صاف کر کے اس کی نقل اور دیگر افسروں نے ایک مشترکہ رپورٹ مسٹر گولڈی کے سامنے پیش کر دی۔

ابواللیث کی اردو کی دونوں تقریروں ترجمہ سرکاری مترجم مسٹر بابا چرن چیٹرجی نے کیا ہے۔ مسٹر گولڈی نے نقل اور ترجمہ ملنے کے بعد ملزم کی مذکورہ تقریروں کے خلاف دفعہ ۱۲۴ الف کے تحت گرفتار کرنے کی درخواست گورنمنٹ آف بنگال سے کی اور ۲۲۔ دسمبر ۱۹۲۱؁ء کو سینکشن حاصل کیا۔

اس نے اس سینکشن کی تصدیق بھی کر دی ہے۔

ابواللیث اور دوسرے افسروں نے حلفیہ بیان کیا ہے کہ جو نوٹ انہوں نے لئے ہیں اور مشترک رپورٹ داخل کی ہے۔ وہ درست اور سچ ہے۔

بابا چرن چیٹرجی نے بھی حلفیہ بیان کیا ہے کہ دونوں نقلوں کا ترجمہ اس نے کیا ہے وہ صحیح اور اصلی ہے لہذا کوئی وجہ نہیں کہ میں ان کی سچائی میں شبہ کروں۔

ملزم نے ایک طویل بیان داخل کیا ہے۔ جو گورنمنٹ کی برائیوں کی داستان سے یہ ہے ان میں نہایت تشریح کے ساتھ ان تمام کارروائیوں

کو دکھایا ہے جن کی وجہ سے وہ گورنمنٹ کو ظالم گورنمنٹ کے نام سے تعبیر کرتا ہے اور نیز اپنی ان تمام کارروائیوں کا ذکر کیا ہے جو ان غیر قانونی کارروائیوں کے خلاف اس نے کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس کی تقریروں کی نقل بالکل مسخ شدہ ہے اور محض بے جوڑ اور بعض مقامات پر بے معنی جملوں کا مجموعہ ہے لیکن بہر کیف وہ ان تمام حصوں کو تسلیم کرتا ہے جن میں گورنمنٹ کے خلاف جدوجہد کی اپیل کی گئی ہے۔

میں نے نہایت احتیاط سے یہ تقریریں پڑھی ہیں اور ان پر کامل غور و خوض کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ یہ باغیانہ ہیں۔ اور یہ کہ ملزم نے ان تقریروں کے ذریعہ گورنمنٹ قائم شدہ از روئے قانون کے خلاف نفرت و حقارت پھیلانے کی کوشش کی۔ میں ملزم کو حسب دعوٰی استغاثہ مجرم پاتا ہوں اور زیر دفعہ ۱۲۴ الف تعزیرات ہند ایک سال قید بامشقت کی سزا دیتا ہوں

دستخط

(ڈی سوینو)

چیف پریسیڈنسی مجسٹریٹ کلکتہ

۹ فروری سنہ ۱۹۳۲ء

ضمیمہ

ازپیغام ۹ر دسمبر ۱۹۲۱ء

آخری منزل کے آثار پھر شروع ہو گئے،

باز ہوائے چمنم آرزو است!

وقت آگیا ہے کہ اسلام اور ہر ملک کا ہر فرزند بھی

آخری آزمائش کے لئے تیار ہو جائیے

وَکَم مِن فِئَۃٍ قَلِیلَۃٍ غَلَبَت فِئَۃً کَثِیرَۃً بِاِذنِ اللّٰہِ وَاللّٰہُ مَعَ الصّٰبِرِین۔

کتنی ہی چھوٹی اور کم تعداد جماعتیں ہیں جو اللہ کے حکم سے بڑی تعدادوں پر غالب آگیئں۔ مگر شرط کامیابی صبر ہے۔ کیوں کہ اللہ صبر کرنے والوں کا ساتھ دیتا ہے۔

مقدمہ کراچی کی گرفتاریوں کے بعد حیرانی و درماندگی کی جو خاموشی چھا گئی تھی۔ بالآخر نوٹی اور گورنمنٹ نے آخری حملے کے لئے ہتھیار اٹھائے وہ اب تک نئی شان کے ساتھ آگے بڑھی ہے اس میں طاقت سے زیادہ طیش ہے اور طیش کے ساتھ غصہ کی گھبراہٹ بھی مل گئی ہے۔ وہ گویا

ضبط کرتے کرتے اکتا گئی ہے اب حریف کی طرح مقابلہ نہیں کرے گی۔ غیظ و غضب میں بھرے ہوئے آدمی کی طرح ٹوٹ پڑے گی۔ بنگال، آسام، یوپی دہلی اور پنجاب میں والنیٹر کورز توڑ ڈالی گئی ہیں۔ خلافت اور کانگریس کمیٹیوں کے دفتروں پر چھاپے مارے گئے ہیں خلافت اور کانگریس عہدیداروں کو پے در پے گرفتار کیا جا رہا ہے۔ اکثر حالتوں میں سفید ٹوپی اور گاڑھے کپڑے کا لباس گرفتاری کے لئے کافی جرم ہے۔ بنگال اور آسام میں صرف پولیس افسروں کی مرضی کا نام حکومت اور قانون ہے۔ کلکتہ کی سڑکوں پر بے شمار آدمی گرفتار کر لئے گئے۔ جو گاڑھا پہنے ہوئے تھے یا چاند اور ستاروں کا نشان ان کی ٹوپیوں پر تھا۔ جلسوں کی ممانعت کا آرڈر بھی ہر جگہ نافذ کر دیا گیا ہے۔ گرفتاریاں بھی آخری حد تک پہنچ گئی ہیں پنجاب میں لالہ لاجپت رائے جی ان کے ساتھ چار اعلیٰ عہدیداران کانگریس گرفتار کر لینے کے لئے تیار ہو گئی ہے۔ گزشتہ دو ہفتہ کے اندر وائسرائے اور گورنر بنگال کی طرف سے بار بار اعلان بھی ہو چکا ہے کہ اب گورنمنٹ کی جانب سے کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو گی۔

بے بسی کا غصہ

۲۷ تاریخ کی فتح مند ہڑتال اور پرنس آف ویلز کے درود کے کامیاب بائیکاٹ نے گورنمنٹ کو بے بس کر دیا۔ بے بسی نے اب غیظ و غضب کی

صورت اختیار کرلی ہے۔ گورنمنٹ صاف صاف کہہ رہی ہے کہ آئندہ ہڑتال کو روکا جائے گا۔ کلکتہ میں پورا زور لگا رہی ہے کہ لوگ سہم جائیں اور ہڑتال نہ ہوسکے۔ سول گارڈ کا قیام خلافت والنٹیرز کا جواب ہے اور اس ذریعہ سے تمام آبادی کو مرعوب کیا جا رہا ہے والنٹیرز کو توڑ کر جلسوں کی ممانعت کرکے اور کارکنان کو کثرت کے ساتھ گرفتار کر کے گورنمنٹ چاہتی ہے کہ تحریک کا خاتمہ کر دے۔ اس نے خیال کیا ہے کہ تحریک کی ہستی اور تبلیغ کے صرف تین ہی ذریعے ہیں 'والنٹیرز، جلسے لیڈر' ان سب پر بیک وقت وار کر کے وہ اپنے کام سے پوری طرح فارغ ہو جائے گی۔

تشدد اور برداشت کا مقابلہ

ہم نے گورنمنٹ کے تشدد کا ہمیشہ استقبال کیا۔ ہم نے صرف استقبال ہی نہیں کیا بلکہ آرزوئیں کیں۔ گورنمنٹ نے کراچی رزولیوشن کو جرم قرار دیا تو ہم میں سے ہزاروں دلوں نے منتیں کیں کہ انہیں بھی گرفتار کرلیا جائے لیکن گورنمنٹ برابر قدم اٹھا کر پیچھے ہٹتی رہی اب پھر اس نے قدم بڑھایا ہے ہم اس کا اس کے تمام سازو سامان کا اس کے ہر طرح کے جبرو تشدد کا اس کے زیادہ غیظ و غضب کا اس کے اس آخری اعلان جنگ کا پوری آمادگی و قبولیت کے ساتھ استقبال کرتے ہیں اور ہمارا اعلان ہے کہ ہم آخر تک پیٹھ نہ دکھائیں گے۔

اب جبر و تشدد اور برداشت میں آخری مقابلہ شروع ہو گیا ہے۔ فتح اس کی ہو گی جو زیادہ طاقتور ہو گا اور زیادہ دیر تک میدان میں اٹک سکے گا۔ اگر گورنمنٹ کی طاقت ملک کی برداشت سے زیادہ ہے تو جیت اس کی ہے۔ اگر ملک کی برداشت گورنمنٹ سے زیادہ ہے تو ملک کی فتح مندی کو کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

آخری منزل اور ہمارا فرض

اگر سچ مچ گورنمنٹ کا یہ آخری وار ہے تو ہم کو بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ سفر کی آخری منزل آ گئی۔ اس لئے ہم کو بھی آخری آزمائش کے لئے تیار ہونا چاہیئے۔ ہم نے دو سال سے جس قدر اعلان کئے ہیں اب وقت آ گیا ہے کہ ان میں سے ہر اعلان اپنی حقیقت کے لئے مطالبہ کر لے ہم نے دو سال سے جس قدر دعوے کئے ہیں وقت آ گیا ہے کہ ان میں سے ہر دعویٰ اپنی سچائی کا دنیا کو یقین دلا دے۔ ہم دو سال سے جو کچھ کہہ رہے ہیں وقت آ گیا ہے کہ دنیا کو کر کے دکھلا دیں۔ ہم نے ایمان کا اعلان کیا ہے۔ ہم نے خدا پرستی کا کا دعویٰ کیا ہے ہم نے فروشی اور رجال ستانی کا نعرہ لگایا ہے۔ ہم نے قربانی و جاں بازی کا ہزاروں اور لاکھوں مرتبہ نام لیا ہے۔ ہم نے حق پرستی کے کے عہد کئے ہیں اسلام اور ملک سے عشق و محبت کا پیمانِ وفا باندھا ہے ہم نے نامرادی اور بزدلی کی ہمیشہ حقارت کی۔ ہم نے حق سے منہ موڑنے

اور خدا سے پیٹھ موڑنے اور خدا کو پیٹھ دکھانے پر لعنتیں بھیجیں ہم ان پہ ہنستے جو تکلیفوں اور مشکلوں سے گھبرا گئے۔ ہم نے ان کی بدبختی و محرومی سے پناہ مانگی جو وقت پر اپنے دعووں میں پورے نہ اترے۔ ہم نے خدا کا نام لیا اور اس کی شریعت کے حکموں کی اطاعت کی راہ میں قدم اٹھایا ہم نے خود ہی اپنے ایمان و نفاق کے لئے معیار بنا دیا اور ہم نے تمام دنیا کو دعوت دی کہ وہ ہم سے مومنوں کو منافقوں میں سے چن لے۔ ہم نے کہا کہ ایمان کی گھڑی ہے اور اسلام کا فیصلہ ہے پس مومن وہ ہے جو وقت کا فرض انجام دے اور منافق وہ ہے جو وقت پر پیٹھ دکھلا دے۔

یوم تبیض وجوہ وتسود وجوہ فاما الذین اسودت وجوھم اکفرتم بعد ایمانکم فذوقوا العذاب بما کنتم تکفرون واما الذین ابیضت وجوھم ففی رحمۃ اللہ ھم فیھا خالدون ط

یہ سب کچھ ہم نے اپنی مرضی اور اپنی طلب سے کیا۔ خدا اور اس کے فرشتے ہماری زبانوں اور ہمارے دلوں پر گواہ ہیں۔ پھر اگر آج آزمائش کی گھڑی آگئی ہے اور منزل سامنے جس کے لئے ہم اس قدر دعویٰ کر چکے ہیں تو کیا ہم عین وقت پر اپنے دعوے بھلا دیں گے۔ کیا ہم اپنے تمام اعلان واپس لے لیں گے۔ کیا ہمارا دعویٰ دھوکا ثابت ہوگا اور ہمارا اعلان محض تفریح کا تماشہ ہوگا۔ کیا ہم نے جو کچھ کہا وہ جھوٹ تھا اور ہم نے اپنے اعلان اور ایمان اور حق کے لئے جو کچھ سمجھا وہ دھوکا تھا۔ کیا ہم خدا اور اس کی سچائی سے منہ موڑ لیں گے۔ کیا ایمان کی سب سے

چھوٹی آزمائش پر پورے نہ اتریں گے کیا مشکلیں ہم کو ہرا دیں گی۔ تکلیفیں ہمیں ڈرا دیں گی؟ اور گرفتاریوں کا ہراس ہمارے ایمان پر غالب آجائے گا۔

دنیا ہماری طرف تک رہی ہے۔ تاریخ کے صفحات ہمارے انتظار میں ہیں۔ ہزاروں لاکھوں شہیدانِ ظلم کی نگاہیں ہم پر لگی ہوئی ہیں۔ سمرنا اور ایشیائے کوچک کی خون آلود سرزمین سے ہمارے لئے صدائیں اٹھ رہی ہیں اور ہندوستان کی پامال سرزمین کا ایک ایک ذرّہ ہماری کھوج میں ہے۔ کیا ہمارا وجود ان سب کے لئے مایوسی ہوگا۔ کیا ہماری نامرادی اور بدبختی کی سرگزشتیں لکھی جائیں گی۔ کیا تاریخ کو ہم صرف اپنی منحوس ناکامی ہی کی کہانی دے سکتے ہیں۔ کیا آنے والی نسلوں کی زبان پر ہمارے لئے صرف نفرتیں اور لعنتیں ہی ہو سکتی ہیں۔ کیا ہم دنیا کو اس بات کے لئے چھوڑ دیں کہ ہماری ایمان سے محرومی اور ہمت سے تہی دستی پر گواہی دے۔

آہ! یہی گھڑی ہے جو فیصلہ کرے گی۔ یہی وقت ہے جو ہمیشہ کے لئے ہماری فتح و شکست کا فیصلہ کر دے گا۔ آؤ اپنی قسمت کی تعمیر کریں اپنی عزت و اقبال کو ڈوبنے سے بچائیں۔ اپنی فتح کو شکست کے لئے نہ چھوڑ دیں اسلام کے دامن کے لئے دھبّہ نہ بنیں۔ جو کبھی محو نہ ہو۔ ہندوستان کی آزادی اور نجات کی امید تاراج نہ کر دیں۔ جو صدیوں تک واپس نہ مل سکے۔

راہ عمل

ہمارے کام کا راستہ بالکل صاف ہے۔ ہماری کامیابی کے لئے کوئی روک نہیں یقیناً خدا کی رحمتوں نے ہمارا ساتھ دیا اور ہم پر ایسی راہ عمل کھولدی کہ جب تک ہم خود اپنے آپ کو شکست نہ دینا چاہیں کوئی ہمیں شکست نہیں دے سکتا۔

ہم نے اوّل ہی دن سے قربانی اور استقامت کا اعلان کیا۔ قربانی سے مقصود یہ ہے کہ مقصد کی راہ میں ہر طرح کی تکلیف و مصیبت جھیلتے رہنا استقامت سے مقصود یہ ہے کہ راہ میں جمے رہنا اور کبھی اس سے منہ نہ موڑنا۔

پھر بتلاؤ گورنمنٹ یا گورنمنٹ سے بھی کوئی بڑی طاقت اس کے مقابلے میں کیا کر سکتی ہے؟ کیوں کہ وہ ہمیں روک سکتی ہے اور کس طرح ہم پر غالب آسکتی ہے۔ فوج ہو تو اسے شکست دی جائے قلع ہوں تو انہیں ڈھا دیا جائے دیواریں ہوں تو انہیں گرا دیا جائے۔ ہتھیار ہوں تو انہیں چھین لیا جائے۔ لیکن جو قوم قربان ہونے اور مٹنے کے لئے تیار ہو گئی ہو اور صرف قربان ہونا اور جان پہ کھیل جانا ہی اس کی فوج اور ہتھیار ہو اس کا مقابلہ کس چیز سے کیا جائے گا؟ جسموں کو مارا اور ہتھیاروں کو چھینا جاسکتا ہے۔ لیکن دلوں کے عشق اور روحوں کے ایمان کے لئے نہ کوئی

کارٹ نہ کوئی آگ۔

اچھا اب ایک ایک چیز کو گنو اور سوچو کہ ہمارے مقابلے میں کون سی طاقت لائی جا سکتی ہے۔

گورنمنٹ ڈرانے کے لئے پوری ہیبت ناک ہے۔ لیکن بے خوفی کے مقابلے میں کیا کرے گی۔

گورنمنٹ احکام نافذ کر کے قید خانے بھر دے گی۔ جو لوگ خود ہی قید ہونے کے لئے تیار ہیں ان کے لئے قید خانے کی نمائش کیا کام دے سکتی ہے۔

سب سے آخری طاقت ہلاکی اور خونریزی کی طاقت ہے۔ بلاشبہ فوجیں جمع ہو سکتی ہیں۔ ہتھیار چمک سکتے ہیں توپیں گرج سکتی ہیں۔ لیکن جو لوگ موت کے لئے خود ہی تیار ہو چکے ہوں ان کے سامنے موت آکر کیا کرے گی۔

ہم کو ہمارے سوائے کوئی زیر نہیں کر سکتا

لیکن ہاں جب کہ کرۂ ارضی کی سب سے بڑی طاقت بھی ہمارا کچھ نہیں بگاڑ سکتی تو ایک طاقت ہے جو ہمیں پل بھر کے اندر پاش پاش کر سکتی ہے۔ وہ کون ہے؟۔

وہ خود ہم ہیں اور ہماری خوفناک غفلت ہے۔ اگر وہ وقت پر نمودار ہو گئی۔ سمجھ لو ہمارے سوا کوئی غالب نہیں آسکتا۔ ہم ایمان والا اتفاق

سے مسلح ہو کر اتنے طاقتور ہیں کہ دنیا کا سب سے بڑا ارضی گھمنڈ بھی ہمیں شکست نہیں دے سکتا۔ لیکن اگر ہمارے اندر اعتقاد اور عمل کی ایک ادنی سی کمزوری اور خامی بھی پیدا ہو گئی تو ہم خود ہی اپنے قاتل ہوں گے۔ اور ہم سے بڑھ کر دنیا میں اچانک مٹ جانے والی کوئی چیز بھی نہیں ملے گی۔

ہم کو گورنمنٹ شکست نہیں دے سکتی ہماری غفلت ہمیں پیس ڈالے گی۔ ہم کو فوجیں پامال نہیں کر سکتیں۔ لیکن ہمارے دل کی کمزوری ہمیں روند ڈالے گی۔ ہمارے دشمن احسام نہیں ہیں۔ عقائد اور اعمال ہیں۔ اگر ہمارے اندر ڈر پیدا ہو گیا شک و شبہ نے جگہ پائی ایمان کی مضبوطی اور حق کا یقین ڈگمگا گیا۔ ہم قربانی سے بے چین ہونے لگے۔ ہم نے اپنی روح فریب نفس کے حوالے کر دی ہمارے صبر اور برداشت میں فتور آگیا ہم انتظار سے تھک گئے طلب گاری سے اکتا گئے۔ ہم میں نظم نہ رہا۔ ہم اپنی تحریک سے تمام دلوں اور قدموں کو راہ پر نہ چلا سکے۔ ہم سخت سے سخت مشکلوں اور مصیبتوں میں یہ انتظام قائم نہ رکھ سکے۔ ہمارے باہمی ایکے اور یگانگت کے رشتے میں کوئی ایک گرہ بھی پڑ گئی۔ غرض کہ اگر دل کے یقین اور قدم کے عمل میں پکے اور پورے نہ اترے تو ہماری شکست ہماری نامرادی اور ہماری پامالی، ہمارے پس جانے، ہمارے نابود ہو جانے کے لئے نہ تو گورنمنٹ کی طاقت کی ضرورت ہے نہ اس کے جبر و تشدد کی ہم خود اپنا گلا کاٹ لیں گے اور پھر صرف نامرادی کی کہانی

دنیا کی عبرت کے لئے باقی رہ جائے گا۔
ہماری طاقت بیرونی سامانوں کی نہیں ہے انہیں کھو کر دوبارہ پا لینگے ہماری ہستی صرف دل اور روح کی سچائیوں اور پاکیوں پر قائم ہے اور وہ ہمیں دنیا کے بازاروں میں نہیں مل سکتیں اگر خزانہ ختم ہو جائے تو جوڑ لیا جا سکتا ہے اگر فوجیں کٹ جائیں تو دوبارہ بنائی جا سکتی ہیں۔ اگر ہتھیار چھین لئے جائیں تو کارخانوں میں ڈھال لئے جا سکتے ہیں۔ لیکن اگر ہمارے دل کا ایمان جاتا رہا۔ تو وہ کہاں ملے گا۔ اگر قربانی و حق پرستی کا ایک جذ مٹ گیا۔ تو وہ کس سے مانگا جائے گا اگر ہم نے خدا کا عشق اور ملک کی شیفتگی کھو دی تو وہ کس کارخانے ڈھالی جائے گی؟"

گورنمنٹ کی مخالفت یا اعانت

گورنمنٹ نے آخری حملے کے لئے ہتھیار اٹھا لئے۔ لیکن پھر کیا ہوا؟ کیا ہماری شکست ہماری پامالی ہماری ناکامیابی کے لئے کوئی بات بھی دکھلا سکی یہ الفاظ بھی ٹھیک نہیں، یوں پوچھنا چاہیئے کہ کیا وہ کوئی ایک بات بھی ہماری مخالفت میں کر سکی۔ وہ تو اور زیادہ ہمارا ساتھ دے رہی ہے۔ عین ہماری آرزوؤں اور خواہشوں کے مطابق ہمیں کامیابی کی طرف کھینچ رہی ہے اور زیادہ مخالف ہوئی تو اس نے زیادہ گرفتاریاں شروع کر دیں۔ لیکن گرفتاریوں ہی کے لئے تو ہم نے اپنا پروگرام

بنایا تھا۔ وہ زیادہ سختی پر آئی تو اس نے بڑے بڑے لیڈروں پر بھی ہاتھ بڑھایا۔

لیکن تحریک کی طاقت اور ترقی کے لئے بھی تو ہم اس بات کے لئے طلبگار تھے؟ حتیٰ کے گرفتاریوں کے لئے گورنمنٹ کو بلاوے دیتے دیتے تھک گئے تھے۔ وہ زیادہ مقابلے میں سرگرم ہوئی تو والنٹیرز کورز توڑ ڈالی گئیں۔ لیکن یہ تو عین ہماری دستگیری ہے اور سچ مچ ہمیں کام پر لگا دیا ہے۔ کیوں کہ سول ڈس اور بینڈینس کے لئے ہمیں کسی ایسی بات کی تلاش تھی۔ ہم کب سے اس موقع کے انتظار میں راہ تک رہے تھے۔ پھر ایک ایسی مخالفت ہے جو عین موافقت کا کام دے رہی ہے۔ اور کیا مقابلہ ہے جس کا ہر وار ہمیں ایک نیا ہتھیار بخش دیتا ہے؟ فی الحقیقت ایمان و صبر کی راہ کا معجزہ ہے اور یہی وہ راز ہے کہ ایمان اور قربانی کے مقابلے میں طاقت کا سارے کا سارا سامان بیکار ہو جاتا ہے۔ دنیا میں شکست دینے اور مٹا دینے کے جتنے بھی ہتھیار ہیں۔ ان میں سے کوئی ہتھیار بھی اس غالب نہیں آسکتا۔

گورنمنٹ کی رہنمائی

میں سچ کہتا ہوں کہ اس وقت ہماری تحریک کی طاقت اور فتح کے لئے ہمارا ایڈے سے بڑا طاقتور دوست اور راہنما بھی ہم پر وہ احسان

نہیں کر سکتا تھا جو گورنمنٹ نے خلافت اور کانگریس والنٹیروں کور نے کو توڑ کر ہم پر کر دیا ہے۔ اس نے عین وقت پر ہماری مدد کی۔ وہ ہماری مدد کیوں کرتی، لیکن اسی کارساز قدرت نے اس کے ہاتھوں کرائی۔ جو ہمیشہ اپنی نیرنگیوں کے اچھنبے دنیا کو دکھلاتا رہتا ہے۔ ٹھیک ٹھیک یہ اسی وقت ہوا، جب کہ ہم میں سے ہر دل بڑی بے قراری کے ساتھ اس کی ضرورت محسوس کر رہا تھا۔ یہ گویا آسمان کی فیاض اور وقت شناس بارش ہے۔ جو نہ تو پہلے آئی اور نہ دیر کر کے آئی ٹھیک اسی وقت آئی جب کہ تمام کھیت اس کی راہ تک رہے تھے۔ ومن آیاتہ ان یریکم البرق خوفاً وطمعاً۔

اس وقت تحریک کی کامیابی کے لئے سب سے زیادہ ضروری اور ناگزیر عمل سول ڈس اوبیڈینس کا تھا.... یعنی اس بات کا تھا کہ سول قوانین کی تعمیل سے انکار کر دیا جائے اور قید خانے بھر کر گورنمنٹ کے تشدد کو تھکا دیا جائے اس کی کامیابی کے لئے کامل نظم و امن اور صبر و استقامت کی ضرورت تھی اور انہیں کہا جا سکتا تھا کہ وقت پر اس کی شرطیں پوری ہو سکیں گی یا نہیں۔

سول ڈس اوبیڈینس (CIVIL DISOBEDIENCE) کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ کوئی خاص معین قانون ہو جو ہماری تحریک کے جائز اور با امن کاموں کو جبراً روکتا ہو۔ اور صرف اسی کی عدم تعمیل سے کام شروع کیا جائے یہ صورت محض دفاعی ہے اور اس لئے سب سے محفوظ اور

کامیاب ہے۔ کیوں کہ اس میں میدانِ عمل محفوظ رہتا ہے۔ اور صرف وہی لوگ اس میں آسکتے ہیں جو اچھی طرح اس کے لئے تیار ہوں۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کوئی ایسا خاص قانون تو سامنے نہ ہو مگر عام طور پر تمام سول قانون کی تعمیل سے انکار کر دیا جائے۔ اس میں زیادہ الوالعزمی اور دلیری ہے کیوں کہ یہ دفاعی عمل نہیں ہے جارحانہ ہے۔ ساتھ ہی بہت نازک اور کٹھن ہے۔ اس کو صرف دو چار آدمی کر کے نتیجہ پیدا نہیں کر سکتے جب تک بڑی جماعت اور پوری آبادی نہ کرے اور ظاہر ہے کہ پوری آبادی کا اس کی مشکلات پر غالب آنا اور تمام شرطوں پر پورا اترنا آسان نہیں ہے۔

آل انڈیا کانگریسی کمیٹی نے جب کوئی پہلی صورت سامنے نہ دیکھی تو دوسری صورت اختیار کی۔ لیکن اس کے لئے ضروری شرطیں بھی ٹھہرا دیں۔ یہ شرطیں ایسی ہیں جو اس وقت چند خاص مقامات ہی میں پوری ہو سکتی ہیں اس لئے لوگوں کو مایوسی ہوئی اور تمام کارکن حلقہ کام میں شریک نہ ہو سکے۔

گورنمنٹ نے کراچی کا مقدمہ کر کے فوج اور پولیس کا مسئلہ ہمارے لئے پیدا کیا گیا تھا۔ ہم تیار ہو گئے کہ اسی سے سول ڈس اوبیڈینس کے مقاصد حاصل کریں۔ ہم نے پوری طرح کوشش کی اور کوئی دقیقہ اس مسئلہ کے اعلان اور اعتراف میں اٹھا نہ رکھا۔ لیکن گورنمنٹ بہت جلدی چونک اٹھی اور سمجھ گئی کہ وہ ہم پر وار نہیں کر رہی ہے۔

بلکہ ہمارے وار کے لئے خود اپنے کو پیش کر رہی ہے اس نے فوراً پینترا بدلا اور ایک شخص کو بھی کراچی ریز رویشن کے تکرار و تصدیق کی بنا پر گرفتار نہیں لیا۔

لیکن اب والنٹیر کورز کو خلاف قانون ٹھہرا کر اس نے نعم البدل دے دیا ہے۔ ہر اعتبار اور حیثیت سے یہ سول ڈس اوبیڈنیس کے لئے بہترین راہ تھی۔

ہم گورنمنٹ سے اگر کوئی چیز مانگتے۔ تو یہی مانگتے جو اس نے خود بخود دے دی اس راہ کی ساری دقتیں دور ہو گئیں۔ اور ساری خوبیاں مل گئیں۔ اب کامیاب اور بے خطر سول ڈس آرڈنیس یہی ہے والنٹیرز کی جماعتیں از سر نو بھرتی کی جائیں اور گورنمنٹ کو چھوڑ دیا جائے کہ جہاں تک گرفتار ہو سکتی ہے گرفتار کر لی جائے۔

سب سے بڑا کام

اب خلافت اور کانگریس کمیٹیوں کے لئے سب سے بڑا کام یہی ہے کہ ہر اس شخص کے لئے جو اسلام اور ملک کی محبت کا دعویدار ہے راہ عمل کھل گئی ہے کہ فوراً اٹھے اور سارے کام چھوڑ کر قومی والنٹیرز میں اپنا نام لکھوا دے اب وقت کی سب سے بڑی خدمت یہی ہو گی۔ کل تک ہمارے لئے بہت سے کام تھے اور ہر کام خلافت اور سوراج

کی خدمت تھا۔ ہم تقریریں کرتے تھے جلسے کرتے تھے دوروں میں نکلتے تھے۔ خلافت اور کانگریس کمیٹیوں کے عہدوں پر معمور ہوتے تھے۔ لیکن آج وہ تمام کام غیر ضروری ہو گئے۔ صرف یہی ایک کام خلافت اور سوراج کا اصلی کام ہے۔ اب سب سے بڑا خادم اسلام و ملک وہی ہے جو والنٹیر بن جائے۔ اور پورے صبر و استقامت کے ساتھ اپنی ڈیوٹی پر کام کر کے جیل چلا جائے۔

تین شرطیں

البتہ تمام کارکنوں کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ کامیابی کے لئے تین شرطیں اٹل ہیں۔ جب تک وہ ان شرطوں کی طرف سے مطمئن نہ ہو جائیں ہرگز ہرگز اس راہ میں قدم نہ اٹھائیں۔ کام کا کم ہونا کوئی برا نہیں ہے۔ مگر کام کا بگاڑ دینا ناقابل معافی ہے۔ اگر اس نازک گھڑی میں ہم نے ذرا بھی غفلت کی تو ہم سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی مجرم نہ ہوگا۔

"پہلی شرط "نظم" ہے۔ جو خلافت یا کانگریس کمیٹی یہ کام شروع کرنا چاہیئے کہ سب سے پہلے اپنی انتظامی قوت کو اچھی طرح دیکھ بھال لے۔ انتظام کے لئے تین باتوں کی طرف سے اطمینان ہونا چاہیئے۔

(۱) تمام مقامی کارکن کسی ایک شخص کے حکموں پر چلتے ہیں۔ اور پوری طرح اس کی اطاعت کرتے ہوں۔ اگر خلافت اور کانگریس کمیٹی کے صدر کو ایسی طاقت حاصل ہے۔ تو یہ منصب اسی کا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو

جو شخص ایسا اثر رکھتا ہو عارضی طور پر والنیٹر کور کا نظام اس کے ماتحت کر دینا چاہیئے اور تمام کارکنوں کو پوری اطاعت کے ساتھ اس کا ساتھ دینا چاہیئے۔

(۲) مقامی آبادی پر کمیٹی کا پورا پورا اثر ہونا چاہیئے۔ اس کو یقین ہونا چاہیئے کہ وہ وقت پر سب کو قابو میں رکھ سکے گی۔

(۳) انتظام کے قائم رکھنے کے لئے کافی اور ہوشیار کارکن ہونے چاہئیں تاکہ ہر وقت کام دے سکیں۔ ان کو والنیٹر میں شریک نہیں ہونا چاہیئے۔

(۴) دوسری شرط "امن" ہے اور یقین کرنا چاہیئے کہ اگر ہم امن قائم نہ رکھ سکیں۔ تو ایک لحہ کے لئے بھی یہ کام کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہم امن کو، گورنمنٹ کے لئے نہیں چاہتے۔ خود اپنی کامیابی کے لئے چاہتے ہیں۔ اور گورنمنٹ تاک میں ہے کہ کوئی بات بلوے اور بد نظمی کی ہو جائے اور پھر اس کو قابو پانے کا موقع مل جائے۔

بمبئی کے واقع نے بتلا دیا ہے کہ انتظام کی غفلت اور غیر ذمہ دار لوگوں کی شرارتوں نے کیسی خوفناک صورت اختیار کر لی۔ پس چاہیئے کہ ہم سچے دل سے اس شرط پر یقین رکھیں اور خدمت دین و ملّت کے پاک کام کو بدمعاشوں اور شریروں کی شرکت سے گندہ نہ ہونے دیں۔ ہم کو پوری ہوشیاری اور نگہبانی کے ساتھ اس کا اطمینان کر لینا چاہیئے۔ اور جب تک اطمینان نہ ہو۔ والنیٹر کا نیا کام نہیں شروع کرنا چاہیئے۔ یہ اطمینان دونوں جماعتوں کی طرف سے ہونا چاہیئے ان کی طرف

سے بھی جو والنٹیر بنیں اور ان سب کی طرف سے بھی جو والنٹیرز کی قربانیوں اور گرفتاریوں کا نظارہ کریں دونوں کے دلوں کو ٹٹول لینا چاہیئے۔ دونوں کے دلوں پر امن کی ضرورت نقش کر دینی چاہیئے۔ والنٹیر وہی بنیں جو گرفتار ہو جانے بلا جرمانہ دیئے بلا معافی مانگے بلا پیشانی پر بل لائے سزا جھیل لینے کے لئے تیار ہو۔ اسی طرح والنٹیرز سامنے اپنے عزیزوں کی گرفتاری دیکھے۔ لیکن نہ تو اسے خوف و ہراس ہو۔ بے جا جوش اور بھڑک اگر ولولہ اٹھے تو ان کی ریس کا جوش پیدا ہو تو انہیں کی طرح خوشی سے قید ہو جانے کا ارادہ کرلے!

"تیسری شرط" "استقامت" ہے یعنی قربانی اور جانبازی کی راہ میں قدم اٹھا کر پھر اس طرح جم جانا کہ نہ تو کوئی طمع ہلا سکے نہ کوئی خوف ڈرا سکے۔ سمندر کی طرح پرجوش پہاڑ کی طرح مضبوط!

"تزول الجبال الرواسیات قلبھم علی الھدی لا یلوی ولا تبتغوا"

اس شرط کے لئے اور زیادہ کیا کہوں۔ کامیابی کی جڑ فتح و مراد کا سرچشمہ ایمان کا خلاصہ، عمل کی روح، خدا کی رحمت کا وسیلہ اگر ہے تو صرف یہی ہے کہ اس کے سوا کچھ نہیں۔

ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا فلا خوف علیھم ولا ھم یحزنون ۔

جو خدا پر ایمان لائے اور اس پر جم گئے۔ تو پھر اس کے لئے نہ تو کسی طرح کا ڈر ہے اور نہ کوئی غم ہے!

بیگم صاحبہ مولانا کا تار بنام

مہاتما گاندھی

ہم ذیل میں بیگم صاحبہ مولانا کا وہ تار درج کرتے ہیں جو انہوں نے مولانا کی سزایابی کے بعد مہاتما گاندھی کو احمد اور بردولی کے پتوں پر دیا تھا۔

لیکن سینٹرل ٹیلیگراف آفس کلکتہ نے اسے روک دیا۔ میرے شوہر مولانا ابو الکلام آزاد کے مقدمہ کا فیصلہ آج سنا دیا گیا انہیں صرف ایک سال قید بامشقت کی سزا دی گئی۔ یہ نہایت تعجب انگیز طور پر اس سے بدرجہا کم ہے جس کے سننے کے لئے ہم تیار تھے۔ اگر سزا اور قید قومی خدمات کا معاوضہ ہے تو آپ تسلیم کریں گے کہ اس معاملے میں بھی ان کے ساتھ سخت ناانصافی برتی گئی۔ یہ تو کم سے کم بھی نہیں ہے جس کے وہ مستحق تھے میں آپ کو اطلاع دینے کی جرات کرتی ہوں کہ بنگال میں جو جگہ ان کی خدمات کی خالی ہوئی ہے۔ ان کے لئے میں

نے اپنی ناچیز خدمات پیش کر دی ہیں۔ اور وہ تمام کام بدستور جاری رہیں گے۔ جو ان کی موجودگی میں انجام پاتے تھے۔

میرے لئے یہ ایک بہت بڑا بوجھ ہے۔ لیکن خدا سے مدد کی پوری امید رکھتی ہوں۔ البتہ ان کی جگہ صرف بنگال ہی میں خالی نہیں ہے۔ بلکہ پورے ملک میں اس کے لئے سعی کرنا میری دسترس سے بالکل باہر ہے۔

میں پہلے چار سال تک ان کی نظر بندی کے زمانے میں اپنی ابتدائی آزمائش کر چکی ہوں اور میں کہہ سکتی ہوں کہ اس دوسری آزمائش میں بھی پوری اتروں گی۔ گزشتہ پانچ سال سے میری صحت نہایت کمزور ہو گئی ہے۔ دماغی محنت سے بالکل مجبور ہوں۔ اس لئے باوجود میری خواہش کے مولانا ہمیشہ اس سے مانع رہے کہ میں کسی طرح کی محنت اور مشغولیت کے کام میں حصّہ لوں۔

لیکن میں نے ارادہ کر لیا تھا کہ ان کی سزایابی کے بعد اپنی ناچیز ہستی کو ادائے فرض کے لئے وقف کر دینا چاہیئے۔ میں آج سے بنگال پراونشل خلافت کمیٹی کے تمام کاموں کو اپنے بھائی کی اعانت سے انجام دوں گی۔

انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ ان کے پر محبت و احترام سلام کے بعد یہ پیغام آپ کو پہنچا دوں۔ کہ اس وقت دونوں فریق میں سے کسی فریق کی حالت بھی فیصلہ یا صلح کے لئے تیار نہیں ہے، نہ گورنمنٹ

نہ ملک اس لیئے ہمارے آگے صرف اپنے تئیں تیار کرنے ہی کا کام درپیش ہے۔ بنگال جس طرح آج سب سے آگے ہے۔ آگے منزل میں بھی سب سے پیش پیش رہے گا۔ بردولی تعلقہ پر بنگال پراونس کے نام کا بھی اضافہ کر دیجئے۔ اور اگر کوئی وقت فیصلہ کا آئے تو ہم لوگوں کی رہائی کو اتنی اہمیت نہ دیجیئے۔ جتنی آج کل دی گئی ہے۔ رہائی کو بالکل نظر انداز کر کے مقاصد کے لیئے شرائط کا فیصلہ کرائیے۔

ختم شد